تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

جلد نمبر ۳۱ | مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ | شمارہ نمبر ۱۳

۱۰ مئی ۱۹۹۴ء
۲۸ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ

سرپرست
مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا محمود الازہار ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی — مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبداللہ حسنی ندوی — مولانا محمد رضوان ندوی
ڈاکٹر ہارون رشید

زر تعاون ملکی
سالانہ ۱۰۰ روپے
فی شمارہ ۵ روپے

بیرون ملک فضائی ڈاک
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک ۲۵ ڈالر

بیرون ملک بحری ڈاک
بحری ڈاک جملہ ۱۰ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ
منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس 93
ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 (یوپی)
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

نوٹ
چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں جس نام و پتہ پر تعمیر حیات جاتا ہے اس کی صراحت منی آرڈر کوپن پر ضرور کریں۔

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے گوپال آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کیلئے شائع کیا

عشرۂ ذی الحجہ کا پیغام

مولانا محمد خالد فیصل ندوی

اسلامی تقویم کا آخری مہینہ عید الاضحیٰ ہے، جس کو عام طور پر بقر عید بھی کہا جاتا ہے، اس مہینہ کی آمد سے قربانیوں کا وہ عظیم تصور پیدا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کا شعار رہا ہے۔

انسانی عظمتوں کی معراج اس مہینہ کی عظیم قربانیوں سے وابستہ ہے، یوں تو پورا مہینہ خدا کی قدرتوں اور حکمتوں کی نیرنگیوں کی آئینہ دار ہے لیکن عشرۂ اولیٰ (شروع کے دس دن) کی عظمتوں کا کیا پوچھنا، اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمتیں اس کے بندوں پر کس کس انداز میں سایہ فگن ہوتی ہیں اور اس کی نوازشیں کس کس عنوان سے اس کے دامن مراد کو بھرتی ہیں احادیث نبوی کے آئینہ میں ان کی جھلکیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔

یوں تو پورا عشرہ نہ صرف برکتوں سعادتوں سے بھرا ہوا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ایک ایسے عظیم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ولولۂ انقیاد، تسلیم و رضا ایثار و قربانی کی تاریخ وابستہ ہے، جو اپنی فطری تعلیمات اور اپنے پیغام کی دلکشی اور ہمہ گیری کی وجہ سے مسلمانوں ہی کا نہیں دنیا کی دیگر اقوام کا بھی پیشوا سمجھا گیا ہے۔

جہاں تک ان دنوں کی غیر معمولی خصوصیتوں کا تعلق ہے اسلامی تعلیمات میں ان کا مقام بہت اونچا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں آیئے ان عظمتوں کی تحصیل کی کوشش کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس پیارے اسلوب میں ان عظمتوں کی نشان دہی فرمائی ہے ایک حدیث میں فرمایا ہے:

"اچھے کاموں کے لیے اللہ تعالیٰ کو کوئی دن ان دنوں سے زیادہ پسندیدہ نہیں" (ترمذی)

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:

"ذی الحجہ کے دس دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب دنوں سے افضل ہیں، ان دنوں میں عبادت اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ لہٰذا تم ان دنوں میں کثرت سے لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتے رہو، ذکر الٰہی بہت کرتے رہو، اور ان دنوں میں ایک روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور نیکیوں کا ثواب سات سو نیکیوں تک ہے۔" (ترغیب و ترہیب)

اس پورے عشرہ میں نویں تاریخ جسے عرفہ کہا جاتا ہے ایک خاص حیثیت کا حامل ہے، حدیث پاک میں ایک خاص انداز میں اس کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، پورے سال کے دن سے اس کو افضل گردانا گیا ہے اس خاص دن کے اعمال کی فضیلت نہایت ہی اثر انگیز انداز میں یوں بیان فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

"عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں سے بہت قریب ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور ان کے بابرکت اعمال کو فرشتوں کے سامنے رکھتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے فرشتو! دیکھو! یہ ہیں میرے بندے۔"

اس کے روزے کے متعلق ارشاد گرامی ہے:

"جو شخص عرفہ کے دن یعنی (نویں ذی الحجہ کو) روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اس روزے کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کی لغزشوں کا کفارہ بنا دے گا۔" (مسلم)

اسلام کا عظیم رکن حج اس کی ادائیگی کے لیے لاکھوں انسان اسی تاریخ میں میدان عرفات میں اپنے مالک کے حضور میں جمع ہوتے ہیں، اور دل کی گہرائیوں سے اپنے مالک کو یاد کرتے ہیں، کبھی جبل رحمت کو دیکھتے ہیں اور اس تصور میں کھو جاتے ہیں کہ اسی تاریخ میں سید المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی پہاڑی کے دامن میں اپنے ایک لاکھ سے زائد جاں نثاروں کے ساتھ وقوف فرمایا تھا، اللہ کے حضور میں گڑگڑا کر دعائیں کی تھیں۔ لہٰذا حجاج کرام سر برہنہ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں اللہ کے حضور کھڑے ہو کر دعاؤں میں مصروف رہتے ہیں، غیر حجاج کے لیے اس دن روزے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ اس تصور کا استحضار قائم رہے لہٰذا اس دن خاص طور پر روزہ کا اہتمام کرنا چاہیے، البتہ اس مہینہ کی ۱۰، ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ان چار تاریخوں میں روزہ رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ ان دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے۔

عشرۂ ذی الحجہ کی ان عظمتوں کا تصور کیجیے اور ان آیتوں کی تلاوت کیجیے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے، "والفجر ولیال عشر" اور قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی، اکثر مفسرین نے اس سے مراد ذی الحجہ کی ان دس راتوں کو لیا ہے، تو

(باقی ص ۲۹ پر)

اس شمارے میں

۱	عشرۂ ذی الحجہ	❁ مولانا محمد خالد ندوی	۲
۲	قربانی کی اصل روح (اداریہ)	❁ شمس الحق ندوی	۵
۳	ملی عزیمت اور اجتماعی فیصلہ	❁ حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی	۷
۴	سیّد احمد شہیدؒ	❁ مولانا عبدالباری ندویؒ	۱۳
۵	انسان عصر حاضر اور عصر ماضی میں	❁ مولانا واضح رشید ندوی	۱۴
۶	قربانی، ہر صاحب نصاب پر فرض ہے	❁ مولانا محمد خالد ندوی	۱۶
۷	عیدالاضحیٰ کے چند مسائل	❁ محمد طارق ندوی	۱۷
۸	کاروانِ زندگی ج ۵	❁ پروفیسر وصی احمد صدیقی	۱۸
۹	لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال	❁ مولانا محمد تقی عثمانی	۲۲
۱۰	رپورٹ رابطہ ادب اسلامی بنارس	❁ مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی	۲۴
۱۱	(جسٹس تلہری) تین طلاق	❁ رپورٹ	۲۶
۱۲	بیت المقدس کی اسلامی تاریخ	❁ محمد ابراہیم ندوی	۲۸
۱۳	عالمی خبریں	❁ معید اشرف ندوی	۳۱

اداریہ

قربانی کی اصل روح

شمس الحق ندوی

ذی الحجہ کا مہینہ جلد ہی شروع ہونے والا ہے اس ماہ مبارک کی آمد قربانی و حج کا پیغام لاتی ہے، قربانی کا تصور و خیال آتے ہی اسماعیل ذبیح اللہ کی گردن پر ابراہیم خلیل اللہ چھری چلانے کا منظر نگاہوں میں پھر جاتا ہے، اور حج کے تصور سے کعبۃ اللہ کے سائے میں معصوم اور ننھے منے اسماعیل کی پیاس سے ایڑیاں رگڑنے اور ماما کی ماری ہوئی حضرت ہاجرہ کے صفا و مروہ کے درمیان بے قرارانہ دوڑنے کا دل گداز نقشہ نگاہوں میں پھرنے لگتا ہے دونوں ہی منظر مالک و خالق کے حکم پر سر جھکانے کا حیرت انگیز نقشہ پیش کرتے ہیں۔ اس بے آب و گیاہ سرزمین میں بیوی بچے کو چھوڑ کر حکم خداوندی کی تعمیل میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے تو حضرت ہاجرہ نے حیرت سے پوچھا اس معصوم بچے اور مجھ عورت ذات کو اس ویرانے میں چھوڑ کر کہاں چلے؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا خدا کے حکم سے جا رہا ہوں۔ جواب سنکر حضرت ہاجرہ کا دل صبر و توکل سے معمور ہوگیا اور فرمایا کہ خدا کے حکم سے جا رہے ہیں تو خدا ہم کو ضائع نہیں کرے گا، جانے والے باپ و شوہر اور رہ جانے والی بیوی اور شیر خوار بچے کا یہ امتحان کوئی معمولی امتحان نہ تھا، جانے والا خدا پر توکل و بھروسہ کرکے گیا تھا، رہنے والے خدا ہی کے بھروسہ پر ٹھہرے تھے۔

کافی عرصہ کے بعد حضرت ابراہیمؑ آتے ہیں، بیوی بچے سے صحت و عافیت کی حالت میں ملتے ہیں، آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے لیکن خوشی و مسرت کے زیادہ دن نہیں گذرنے پاتے کہ حکم ہوتا ہے اپنے اس جگر گوشہ کو خدا کے نام پر ذبح کردو۔ ہر وہ شخص جو سینہ میں دل رکھتا ہے اور آنکھوں کے سامنے ہنستا کھیلتا، خوشی و مسرت سے مچلتا اپنے جگر گوشہ کی معصوم صورت کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اس منظر سے اس کا دل بلیوں اچھلتا ہے۔ ذرا سوچئے کہ اس جگر گوشہ کی گردن پر چھری چلانا کتنا مشکل کام ہے۔

لیکن دنیا نے دیکھا کہ اس مشکل ترین قربانی کو پیش کرنے میں بھی حضرت ابراہیمؑ کامیاب ہوگئے، اور ہر مومن بندہ اور بندی کے لیے یہ نمونہ چھوڑ گئے کہ خدا کے حکم اور اس کے نام پر عزیز سے عزیز متاع حیات کو قربان کردینا ہی بندہ کی بندگی کا طرۂ امتیاز ہے اور اس میں ہچکچاہٹ، کشمکش و پنج و آنا کانی اپنے مالک و خالق کے حکم سے سرتابی ہے جو مالک کے غضب و ناراضگی کا سبب اور اس کی گرفت و سزا کا باعث ہے خواہ اس میں کچھ تاخیر ہو یا بطور استدراج وڈھیل کچھ وقتی نفع حاصل ہو۔

یہ ہے قربانی کی وہ اصل روح جس کو یاد دلانے کے لیے اور جس کے استحضار و تازہ رکھنے کے لیے ہر عاقل بالغ، صاحب نصاب مسلمان مرد و عورت پر جانور ذبح کرنا فرض کردیا گیا ہے۔ جس کا حاصل و لب لباب یہ ہے کہ صرف جانور ذبح کرنا مقصود نہیں بلکہ اس یاد کو تازہ کرکے مالک کے حکم کی تعمیل و رضا کی خاطر حالات و تقاضائے مطابق اپنا سب کچھ قربان کردینے کے لیے تیار رہنے کا حوصلہ پیدا کرنا مقصود ہے جس کے لیے ہر مسلمان کو ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے۔ اس یاد کے ہر سال دہرائے جانے کا یہی راز ہے ؎

لینا ہے ترا سر، تری گردن، تری جاں مول
اے طائر شوق اڑکے پہنچنا ہے تو بر کھول

اگر ہم قربانی کی اس حقیقت کو تاریخ اسلامی کے تابندہ نقوش میں دیکھنا اور ڈھونڈنا چاہیں تو ہم کو وہ زندہ و جاوید مثالیں ملیں گی جن سے ہم کو موقع و محل کی مناسبت سے کامل رہنمائی ملے گی۔

کارگاہ حیات میں ایسے بھی مواقع آتے ہیں کہ خدا کی رضا اور دین و ملت کے مفاد کے لیے اپنے جاہ و منصب تک کی قربانی دینی پڑتی ہے اور بے

شکل قربانی اپنے جاہ و انا اور جماعتی و گروہی عصبیت ہی کی ہوتی ہے جس کو قوم و ملت کے مفاد عامہ کے لیے پیش کر دینا ہوتا ہے، اس سیاق میں ہم دیکھیں تو ہم کو نظر آئے گا کہ ایک قربانی وہ ہے جو سیدنا حضرت خالدؓ بن ولید نے یرموک میں دی تھی، دوسری قربانی وہ ہے جو حضرت حسن بن علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں امت کے انتشار کو ختم کرنے کے لیے دی تھی، اور وہ بھی ایک قربانی ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے (اسلامی مملکت اور معاشرہ کو اسلامی زندگی اور اسلامی سیرت کی راہ پر لگانے کے لیے) اپنی زندگی کو بدل کر اور اپنے خاندان کے مفاد سے آنکھیں بند کر کے دی تھی۔

آج امت مسلمہ جن خطرات و حوادث سے دوچار ہے ان میں ان تینوں قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ کیا ہم اس کا حوصلہ رکھتے ہیں کہ جانور کی گردن پر چھری چلاتے وقت قربانی کی اصل روح کو تازہ کر کے اپنی ہر اک خواہش پر چھری چلا دیں جس کے پورا کرنے میں دین و ملت کو نقصان پہنچتا ہو لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ قربانی کا لفظ اتنی کثرت سے استعمال ہونے لگا ہے کہ لفظ ہی لفظ باقی رہ گیا ہے اور قربانی کی اصل روح دن بدن غائب ہوتی جا رہی ہے۔ اس وقت پوری امت اسلامیہ عموماً اور امت اسلامیہ ہندیہ خصوصاً جس نازک دور سے گذر رہی ہے اس کے لیے ہر جرے کی گردن پر چھری چلاتے ہوئے ہم ہر وہ قربانی دینے کا عزم کریں جو اس وقت امت کو درکار ہے۔

اگر ہم اپنی زندگی کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہم قربانی کی اصل روح اور حقیقت سے بہت دور ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ گھروں اور خاندانوں سے لے کر جماعتوں اور مکاتب فکر اور اداروں اور انجمنوں تک میں انتشار بپا ہے اور وہ اسلام جس کا ڈھانچہ سراسر ایثار اور قربانی پر قائم ہوتا ہے، اس کا ایک ایک جوڑ ڈھیلا ہو رہا ہے۔

عید الاضحی میں جانور اس لیے نہیں ذبح کیے جاتے کہ خدا کی زمین لالہ زار ہو جائے بلکہ یہ قربانی کسی بلند مقصد کے لیے کی جاتی ہے، اونچا مطمح نظر سامنے ہوتا ہے اور اس پاکیزہ مقصد سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اپنے اندر جاری و ساری کرنا ہوتا ہے جس کے ذریعہ نفس کو رذالت کی آلائشوں سے پاک کیا جاتا ہے تاکہ پاکیزہ قدریں ابھریں۔ دل میں فداکاری اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہو، علم و ہنر میں حزب کلیمانہ کی شان پیدا ہو اور وہ کام جو مشکل و دشوار معلوم ہوتے ہیں قربانی ان کو آسان کر دے۔

حدیثِ محمد مصطفیٰ ﷺ

ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی

روح دیں قرآن ہے اور دل حدیثِ مصطفیٰؐ
اصل میں ہے جوہرِ قابل حدیثِ مصطفیٰؐ
ماحیِ بدعات و باطل مانتے ہیں ہم اسے
رہبری کے واسطے قرآں اگر ہے آفتاب
جو محاسن بھی سخن کے ہیں ادب میں لازمی
کاروانِ زیست کی رہبر تو ہے امّ الکتاب
دوں اگر تشبیہ قرآں کو بہ رخسارِ جمیل
اک سمندر ہے یہ علم سیرت و تفسیر و فقہ
ہر مؤرخ، ہر مفسر، اور ہر سیرت نگار
اس کا اک اک حرف آساں ہے بشرطِ ذوق و شوق
پوچھئے ہم سے کہ ہم ہیں اہلِ قرآن و حدیث
کون جانے کس قدر محبوب ہے عندالرسولؐ
مجھ کتابیں جن کو اہلِ حق سمجھتے ہیں صحاح
مالک و احمد، بخاری، مسلم و ابنِ شہاب
بالتواتر ہو، خبرِ واحد ہو یا مشہور ہو
ہر رگ و پے میں مرے آیاتِ قرآنی کے ساتھ
ہے طفیلِ بے نوا داخل حدیثِ مصطفیٰؐ

غور سے پڑھ غور سے غافل حدیثِ مصطفیٰؐ
شارحِ ماضی و مستقبل حدیثِ مصطفیٰؐ
درحقیقت حق سے ہے واصل حدیثِ مصطفیٰؐ
شرح دیں میں ہے مکمل حدیثِ مصطفیٰؐ
بالیقیں ان سب کی ہے حامل حدیثِ مصطفیٰؐ
ہے اسی کا اک حسیں تمثل حدیثِ مصطفیٰؐ
تو اسی رخسار کا تل ہے حدیثِ مصطفیٰؐ
اور ہے اس بحر کا ساحل حدیثِ مصطفیٰؐ
کاوشوں میں سب کی ہے شامل حدیثِ مصطفیٰؐ
کون کہتا ہے کہ ہے مشکل حدیثِ مصطفیٰؐ
کس قدر عظمت کی ہے حامل حدیثِ مصطفیٰؐ
جو سناتا ہے سرِ محفل حدیثِ مصطفیٰؐ
ہے انھیں پر مشتمل اے دل حدیثِ مصطفیٰؐ
ہر محدث کی رہی منزل حدیثِ مصطفیٰؐ
جس طرح کی بھی ہو کر حاصل حدیثِ مصطفیٰؐ

ملّی عزیمت اور اجتماعی فیصلہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

ذیل کا فکر انگیز مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا وہ خطبۂ صدارت ہے جو صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس (نجیب آباد) منعقدہ ۲۸ر اپریل ۱۹۹۴ء کو پڑھا گیا۔

الحمد للہ وحدہٗ والصلاۃ والسلامُ علیٰ من لا نبیَّ بعدہٗ!

حضرات! بوقت کے اہم ترین مسئلہ نے ہم کو آپ کو پچھلے کام کا جائزہ لینے اور آئندہ کے لئے نقشۂ کار مرتب کرنے کیلئے جمع کر دیا ہے وقت کی نزاکت اور کام کی وسعت کا تقاضا ہے کہ رسوم و روایات کی پابندی کے بغیر ہمارا سارا وقت اصل موضوع پر صرف ہو اور مغز کی بات بغیر کسی تمہید و تکلف کے شروع کر دی جائے

حضرات! دو لفظ ہماری زبان اور دینی تحریروں اور تقریروں میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں، وہ "فرد" اور "ملّت" کے الفاظ ہیں آپ ان کے معنی سمجھتے ہیں، فرد اکائی کا نام ہے یہاں جتنے حضرات بیٹھے ہوئے ہیں، وہ سب اپنی اپنی جگہ پر فرد اور ایک اکائی ہیں، ان سے مل کر ملت تیار ہوتی ہے، ملت اسلامیہ بھی اسی مجموعہ کا نام ہے، ملّت اسلامیہ ملّت موسویہ اور ملت عیسویہ بھی افراد کے مجموعہ ہی کا نام ہے۔

اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون قدرت (سُنّتُ اللہ) افراد اور ملّت دونوں کے لئے ہے، فرد کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ انتظام ہے کہ اس نے اپنے قانون کے مطابق اس انسانی جسم میں جان اور روح ڈالی اس کے بعد پھر اس کی حفاظت فرمائی، وہ شکم مادر سے اس دنیا میں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے رہنے اور زندہ رکھے جانے کا فیصلہ کیا۔ اس میں زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا کی اس میں موسمی اثرات کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھی۔ اس کے اندر سمجھ پیدا کی ہاتھ پاؤں میں طاقت دی اور اس کو بہت کچھ اختیارات عطا کئے اور صلاحیتیں بخشیں، لیکن اس فرد کے ذمہ بھی کچھ فرائض کئے ایک تو یہ کہ وہ اپنے وجود کی حفاظت کرے، موسم کے اثرات سے اپنے جسم کو بچائے، غذائی ضروریات اور سامانِ خوراک مہیا کرے جس سے جسم و جان کا رشتہ باقی رہے، دشمنوں سے اپنی حفاظت کرے رہنے کیلئے مکان بنائے، اپنے کو خطرات سے محفوظ رکھے، اور زندگی کی دوسری ضروریات کی تکمیل کرے اس میں تعلیم، زراعت، تجارت، صنعتیں، ہنر پیشے، حفاظت، خود اختیاری کا سامان، دوا علاج اور طب کے فن سے لیکر اپنی اپنی ضرورت اور زمانہ کے مطابق سائنس اور ٹکنالوجی سب علوم و فنون آتے ہیں۔ اپنی اپنی ضرورت اور حالات کے مطابق یہ سب کام فرد کو انجام دینے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس فرد کو وجود بخشا اس کے وجود کے لئے جتنی بنیادی ضرورتیں تھیں وہ اس نے فرد کو عطا کیں۔ لیکن اب وہ فارغ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو بے دست و پا نہیں چھوڑا ہے۔ اب آگے اس کا کام یہ ہے کہ اپنے وجود، جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کرے، اسی کے ساتھ اپنی آئندہ نسل کے تسلسل اور اسکی حفاظت و تعلیم کا سامان مہیا کرے۔ یہ سب فرد کا کام ہے، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وجود حاصل کرنے کے بعد فرد کی ذمہ داری ختم ہو گئی، اب وہ جانے اور اس کا پیدا کرنے والا جانے، اب اس کا کوئی کام نہیں، ہم اور آپ اس قانون کو جانتے ہیں، اور ہزاروں برس سے یہ دنیا اس قانون پر چل رہی ہے، ہم اپنی خوراک بھی مہیا کرتے ہیں، اس کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں دوڑ دھوپ کرتے ہیں، اپنی جان کی حفاظت کے لئے ہزار جتن کرتے ہیں، جاڑے گرمی اور برسات کے موسم کے مطابق کپڑے استعمال کرتے ہیں، مکان اپنی ضرورت کے مطابق بناتے ہیں، پھر ہم آسائش اور آرام کے ساتھ زندگی گذارنا چاہتے ہیں، ہم یہی نہیں چاہتے کہ ہمارا وجود باقی رہے بلکہ ہم یہ بھی کوشش کرتے ہیں کہ راحت و آسائش کے ساتھ ہمارا وجود باقی رہے اچھا کھائیں، اچھا لباس استعمال کریں، یہ سب فطری تقاضے ہیں، شریعت، عقل، تمدن، معاشرہ

حکومت، قانون، کوئی بھی اس کا مخالف نہیں بلکہ اس میں اعانت کرنا اور اس کے لئے سہولتیں مہیا کرنا اپنے فرائض میں سمجھتے ہیں بلکہ ان فرائض و ضروریات زندگی کو راحت و سہولت کے ساتھ پورا کرنے کو فطرت کا تقاضا اور انسان کا قدرتی حق سمجھتے ہیں۔

حضرات! بالکل یہی معاملہ ملت کا ہے، ہم فرد کے معاملہ میں جن حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہیں ملت کے معاملہ میں ہم ان کو صاف بھول جاتے ہیں یہ ہماری زندگی کا عجیب و غریب تضاد ہے کہ ہم فرد کو حق ہی نہیں دیتے بلکہ فرد پر فرض عائد کرتے ہیں، اگر وہ فرد اس فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے تو دنیا کے تمام عقلاء اور تعلق رکھنے والے انسان اس کو قابل ملامت بلکہ ایک حد تک اس کو مجرم بلکہ کسی حد تک خودکشی کا مرتکب سمجھتے ہیں، ایک شخص دنیا میں پیدا ہو گیا اب وہ فرد جانے اور اس کا پیدا کرنے والا جانے، لیکن کوئی اس فرد کی کوتاہی کو معاف نہیں کرتا۔ حد یہ کہ وہ ماں باپ بھی اس کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، جن کی شفقت ضرب المثل ہے، وہ اپنے فرزند اور جگر گوشہ سے یہ نہیں کہتے کہ اب تم پیدا ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت گھر میں آگئی، اب تمھیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ماں باپ بعض اوقات اجنبیت اور ایسی بے گانگی سے مطالبہ کرتے ہیں جیسے ان سے خون کا کوئی رشتہ نہیں، کہ مکتب جا کر پڑھو، بلکہ وہ استاد سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو جائز حدود میں اس کی سرزنش کریں، اور اس کو محسوس کرا دیں کہ تعلیم کا حصول ضروری ہے، اس کے بغیر وہ نہ گھر میں رہ سکے گا، نہ کھا سکے گا، یہ سب کام وہ ماں کرتی ہے جس سے بڑھکر اللہ تعالیٰ کے بعد کوئی ہستی رحم دل نہیں ہے، ایسی شفیق ماں بھی پڑھنے میں بچوں کی رعایت نہیں کرتی اور صبح کو دل پر پتھر رکھکر بچے کو اٹھاتی ہے کہ وہ مکتب جا کر پڑھے، اس کو یہ محسوس کراتی ہے کہ ان بچوں میں جو محنت کرتے ہیں، اور جو محنت نہیں کرتے فرق ہے حالانکہ ان سب کی ماں ایک ہے، ہم سب ہزاروں برس سے اس اصول و قانون کو مانتے آتے ہیں، اور دنیا کا سارا انتظام اسی پر چل رہا ہے اور زندگی کا یہ پہیہ اسی پر گھوم رہا ہے،

لیکن آپ ذرا دیانتداری سے سوچئے کہ ہم نے فرد کو جس نظر سے دیکھا اور اس کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے، وہ ہم ملت کے معاملہ میں کیوں بالکل بھول جاتے ہیں، جس طرح فرد کو اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا، جسم عطا کیا، صلاحیتیں اور توانائیاں بخشیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ملت کو ایمان بخشا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ جیسا نبی بخشا، اور آسمانی کتاب عطا فرمائی، ایک مکمل مرتب اور مدون نظام شریعت و تمدن عطا کیا، اسی کے ساتھ نصرتِ الٰہی اور توفیق الٰہی بھی شامل ہے لیکن اب اس کے بعد ملت کا کام یہ ہے کہ فرد کیطرح اپنے وجود کی حفاظت کرے، جیسے فرد کا یہ کام تھا کہ اپنے جسم کو جلنے نہ دے اسکو ڈوبنے سے بچائے، اگر کوئی زہر دے تو اسکو نہ کھائے اور اگر لاعلمی اور غفلت میں کھا لیا ہے تو اس کے اثر سے بچنے کی امکانی کوشش کرے، بے پڑھا رہ کر جاہل کا نام سُننے نہ پائے، ذلت اٹھانے نہ پائے، کم کما کر آدھا پیٹ کھانے کی تکلیف نہ اٹھائے اور اپنے ہم عصروں اور اپنے محلہ والوں کی نگاہ میں ذلت کی نگاہ سے دیکھا جائے، یہ سب آپ نے فرد کے فرائض تسلیم کئے تھے، بالکل یہی معاملہ ملت کی سطح کے مطابق ہونا چاہیئے۔ وہ فرد تھا جس کو ختم ہونے یا بھوکے ننگے رہنے اور ذلیل و حقیر ہونے سے یا کم کھانے سے دنیا کا کوئی نقصان نہیں تھا۔ اس کے ذلیل ہونے سے نسل اور معاشرہ انسانی اور تہذیب انسانی کیلئے کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن یہ ملت ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا:-

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (سورۃ الانفال۔ ۷۳)

اگر تم یہ کام، نہ کروگے تو ملک میں فتنہ برپا ہو جائیگا اور بڑا فساد مچے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس ملت کے بہت تھوڑے افراد کے لئے جو مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے یہ کہا تھا کہ اگر تم نے نظامِ "مواخاۃ" (بھائی چارہ) قائم نہ کیا تو زمین میں فتنۂ عظیم اور فساد کبیر برپا ہوگا۔ انسانیت کا مستقبل تاریک ہو جائے گا، اور اس کی قسمت پھوٹ جائے گی، اگر یہ نظام مواخاۃ قائم نہ ہوا تو انسانیت کی قسمت میں ناکامی اور تباہی و بربادی لکھی ہوئی ہے، یہ ان مومنوں سے کہا گیا تھا جن کی تعداد چار ہزار سے زیادہ نہ تھی۔

اب یہ نکتہ آپ سمجھ لیجئے کہ ملت کو جو چیزیں دینے کی تھیں وہ اللہ تعالیٰ نے پوری فیاضی اور "رب العالمینی کی" پوری صفت کے ساتھ عطا کر دیں لیکن انسان کے ذمہ جو چیزیں کرنے کی تھیں، وہ اس کے ذمہ ہیں جیسے فرد کو اللہ تعالیٰ نے معطل نہیں کیا، نہ اللہ نے اس کو معاف کیا، نہ اس کو معاشرہ اور خاندان نے معاف کیا، نہ قانون اور ماں باپ نے معاف کیا۔ اور نہ اس کے ضمیر نے اس کو معاف کیا اسی طرح ملت کو معاف کرنے والا کون ہے؟ کس نے ملت کے نام یہ معافی نامہ لکھدیا ہے کہ خدا نے تم کو جو کچھ دینا تھا دے دیا، اب تم بیٹھو، تمھارے ذمہ اب کوئی کام نہیں، تم جس طرح چاہو رہو، ملک میں کیسا ہی قانون بنے، کیسا ہی نظام تعلیم ہو، وہاں تمھاری شریعت اور عقائد کے لئے کیسے ہی خطرات ہوں، بلکہ ان کو ختم کرنے والے منصوبے ہوں، تمھاری کوئی ذمہ داری نہیں،

سب ہم کریں گے، یہ معاملہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ ترین پیغمبر کے ساتھ بھی نہیں کیا، ورنہ مدینہ طیبہ سے ایک ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں صرف تین سو تیرہ ۳۱۳ آدمیوں کو ساتھ لیکر نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ یہ بات سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام کر چکا، اب ہمارے کرنے کا کام ہے، اللہ تعالیٰ نے دین دیا، ایمان کی دولت دی، آخرت کا یقین دیا اپنی محبت دی، شریعت دی، نماز روزہ سب کچھ عطا کیا، لیکن اس ملت کو بچانے کی ذمہ داری ہماری ہے۔ اس پیغام کو۔ جو انسانیت کے لئے روح کا درجہ رکھتا ہے۔ بچانے کی ذمہ داری ملت کی ہے،

حضرات! ہندوستان میں ملت کے تشخص (IDENTITY) کو بچانے کی ذمہ داری آپکی ہے، جیسے فرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس مٹ جانے والے مٹی کے جسم کو بچائے بلکہ اسی طرح اس پیغام کو جو انسانیت کیلئے روح کا درجہ رکھتا ہے، بچانے کی ذمہ داری ملت کی ہے ملت کو ملت کہلانے کے استحقاق کو بچانے اور ملت کو اللہ تعالیٰ کی نصرت کا حقدار بنانے کی ذمہ داری آپ کی ہے، آپ اس ملک میں مسلمانوں کے تشخص کو بچانے اور اس کے آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کی ذمہ داری قبول کریں اور اس کے لئے وہ قربانیاں دیں جو مطلوب ہیں، فرد ایک ہے، اور ایک فرد کی حیثیت سے قربانی دینا ہے، لیکن ملت کی تعداد ہندوستان میں کم سے کم دس کروڑ بتائی جاتی ہے، تو اس کی قربانیوں، کوششوں، جاں فشانیوں، اس کی قوتِ مقابلہ اور اس کے انتظامات کی مقدار بھی اسی سطح کی ہونی چاہیئے

اس کے ساتھ یہ بھی آپ نظر انداز نہ کیجئے کہ آپ ایسے ملک میں ہیں، جس میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، وہ جمہوری ملک ہے، اور وہاں قانون ساز مجلسیں قانون بناتی ہیں، جب یہ ملک جمہوری ہے تو پارلیمنٹ ہی قانون بنائے گی اور جمہوریت کا یہ قاعدہ ہے کہ اکثریت کی رائے اور تائید سے قانون بنتا ہے اس لئے ہر وقت اکثریت کا خطرہ ہے کہ ایسے قوانین بنیں جو ہمارے بنیادی عقائد مسلّمات ہمارے جذبات اور ہماری ضروریات کے خلاف (بدنیتی سے کم اور ناواقفیت سے زیادہ) بنیں، یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ وہاں مذہبی، تہذیبی اور لسانی بنیادوں پر جارحانہ احیائیت (AGGRESSIVE REVIVALISH) اور "کلیت پسندی" (TOTALITARIANISM) کی تحریکیں بھی زور شور سے چل رہی ہیں، اب آپ کا کام یہ ہے کہ ایسے سیکولر اور جمہوری ملک میں اپنے ملی تشخص کی حفاظت آئینی طریقہ پر کریں آپ ہندوستان کے وفادار، مفید، کارآمد، اور اس کے ضروری جزء ہونے کی حیثیت سے اپنی افادیت و اہمیت ثابت کریں، اور مطالبہ کریں کہ کوئی قانون ہماری شریعت، آسمانی کتاب، اور ہمارے عقائد کے خلاف نہیں بننا چاہیئے، آپ اسی کے ساتھ یہ بھی ثابت کریں کہ خلاف شریعت قانون بننے سے آپکو اس سے زیادہ اذیت ہوتی ہے اور آپکا ملی وجود اس سے زیادہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے جتنا کھانا روکنے سے کوئی جمہوری حکومت کسی اقلیت اور کسی فرقہ کی غذائی ضرورتوں کو نہیں روک سکتی اور کوئی حکومت چاہے کتنی ہی طاقتور ہو، یہ قانون نہیں بنا سکتی کہ فلاں فرقہ کو غلہ کی فراہمی روک دی جائے یا بازار میں اس کو دکان کھولنے کی اجازت نہ دی جائے یا اس کے بچوں پر تعلیم اور تعلیم گاہوں کے دروازے بند کر دیئے جائیں ایسا اگر ہونے لگے تو آپ قیامت برپا کر سکتے ہیں، آپ ثابت کر دیں۔ کہ اس قانون اور اس نئے نظام تعلیم سے آپکو گھٹن ہو رہی ہے جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر باہر رکھنے سے اس کا دم گھٹتا ہے، آپ کے چہروں کے اتار چڑھاؤ، حرکات و سکنات سے معلوم ہو جائے کہ آپ کی صحت اور توانائی اور کارکردگی پر اثر پڑ رہا ہے۔ اور یہ محسوس کر لیا جائے کہ یہ ایک مغموم قوم کے افراد ہیں اس نئے قانون سے ان کا دم گھٹ رہا ہے اور یہ ان کی آئندہ نسل کے قتل کے مرادف ہے، یہ کام آپکو خلوص کے ساتھ علمی طور پر ایسی کیفیات کے ساتھ کرنا ہوگا، کہ ہر شخص اسٹیشنوں، پارکوں اور بسوں میں آپ کی بے چینی کو محسوس کرے، اگر آدھا نہیں تو کم از کم اس کا چوتھائی حصہ ثابت کرنا ہوگا، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک ہفتہ بھی ایسا قانون نہیں چل سکتا میں نے دنیا کے آئینوں اور دستور حکومت کا مطالعہ کیا ہے اور جمہوریتوں کی تاریخ پڑھی ہے۔ اس لئے میں یہ بات کہہ رہا ہوں۔

لیکن یہ سب کام مرصع اور سیاسی الفاظ کے ساتھ نہیں ہوگا۔ اس کے لئے جذباتی حتی، اور جسمانی طور پر اپنے کرب کا اظہار کرنا پڑے گا۔ آپ کو بتانا ہوگا کہ ہم اس ملک میں رہیں اور ایسا نظام تعلیم رائج کیا جائے جس سے مسلمان بچے مسلمان نہ رہنے پائیں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ نے ہم کو زندگی کی حقیقی لذت و عزت سے محروم کر دیا ہے۔

آپ کو ایک طرف آئینی طور پر کوشش کرنی ہوگی اور اس کے لئے جلسے جلوس، تنظیمیں انجمنیں، احتجاج اور وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو دستوری و آئینی طریقہ پر کسی جمہوری ملک میں کسی چیز کو منوانے کے لئے کیا جاتا ہے، میں توڑ پھوڑ اور تشدد کو نہیں کہتا اور نہ میں اس کا قائل ہوں، میں تو برادران وطن کو بھی تشدد (VIOLENCE) سے روکنا چاہتا ہوں۔ پھر میں آپکو اس کا مشورہ کیسے دوں گا۔ لیکن دستوری حدود میں رہتے ہوئے ایک جمہوری ملک میں جس طرح اپنی بے چینی کا

اظہار کیا جاسکتا ہے وہ کرنا چاہیئے۔

دوسری طرف آپ کو ہر وقت چوکنا رہنا ہوگا۔ آپ کو اخبارات پڑھنے ہوں گے۔ اور لکھنا بھی پڑھنی ہوں گی جو دینی تعلیمی کونسل نے اس موضوع پر تیار کردی ہیں، اور جن سے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں رہی ان سے آپکو معلوم ہوگا کہ اس وقت کون سا قانون بن رہا ہے جس سے آپ کی آئندہ نسل خطرات میں گھر گئی ہے؟ اگر حالات کا یہی رُخ رہا، اور یہی میل ونہار رہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذہنی وتہذیبی ہی نہیں، اعتقادی ارتداد کا خطرہ ہے، اور آپ کو معلوم ہے کہ اسلام کی لغت میں کوئی لفظ اتنا روکھے کھڑے کرنے والا اور دہشتناک نہیں جتنا کہ ارتداد کا لفظ ہے۔ حد یہ ہے کہ کفر بھی مسلمان کے اندر اتنا کپکپی نہیں پیدا کرتا جتنا کہ ارتداد کا لفظ حدیث میں آتا ہے کہ تیغ بانیں وہ ہیں کہ اگر آدمی ان کو جمع کرے تو اس نے ایمان کی صفات کو جمع کرلیا ان میں سے ایک یہ کہ۔

"وأن يكره ان يعود الى الكفر كما يكره ان يقذف فى النار" (اس تصور سے کہ میں کفر کی طرف لوٹ جاؤں گا اُسے ایسی وحشت ہو کہ جیسے اس کو آگ میں ڈالے جانے پر وحشت ہوتی ہے) اگر اس طرح حالات باقی رہے جارحانہ احیاء پرستی (AGGRESSIVE REVIVALISM) اسی طرح بڑھتی اور ترقی کرتی رہی تو اس ملک میں "ارتداد کا خطرہ ہے" یہ آسانی سے کہنے والی بات نہیں تھی لیکن دل پر پتھر رکھ کر میں نے کہدی۔

دوسرا راستہ یہ ہے جس کو انجمن تعلیمات دین نے اختیار کیا ہے، وہ یہ کہ مکاتب کا جال بچھا دیا جائے ہر مکتب خود کفیل ہو باہر کے چندوں پر بالکل نظر نہ ہو، یہ کام ملت کے لحاظ سے آپ پر فرض ہے، تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن ملتوں نے یہ فریضہ ادا نہیں کیا وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں

ترجمانِ حقیقت اقبال نے صحیح کہا ہے ؎

فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

ہمیں یقین ہے کہ یہ ملک اسپین نہیں بنے گا جو اس کا خواب دیکھ رہا ہے وہ ہوش میں آئے، لیکن ہمیں اور آپ کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ اسپین سے کم درجہ کے ممالک چین اور روس اور بلغاریہ ہیں جہاں کروروں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں ان کی مسجدیں ہیں وہاں انھیں نماز پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن دینی تعلیم دینے اور مذہب واسلامی تہذیب پر آزادی کے ساتھ عمل کرنے کی اجازت نہیں اور نہ اسلامی دعوت کی اجازت ہے، اسپین تو آخری درجہ ہے، اقبال کے بقول صدیوں سے اس کی فضا بے اذان اور اس کی زمین بے سجود ہے، آپ کو یہ کوشش کرنی ہے کہ یہ ملک روس اور چین اور بلغاریہ کی طرح بھی نہ بن جائے، میرا یقین ہے کہ اگر آپ اپنے اندر وہی کرب و بے چینی کا اظہار کریں گے تو دوسرے بھی متاثر ہوں گے اور ہزاروں کی تعداد میں آپ کو ایسے ہم نوا اور ہمدرد مل جائیں گے، جو آپ کو اس احتجاج میں حق بجانب قرار دیں گے اور اس کو سچی جمہوریت اور آزادی کا تقاضہ سمجھیں گے اس کے ساتھ آپ کا فرض ہوگا کہ وسیع پیمانہ پر مکاتب قائم کریں، میں قرآن وحدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ کسی ضلع کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہاں دنیا کے سارے کام ہوتے ہوں شادیاں دھوم دھام سے ہوتی ہوں، باراتیں نکلتی ہوں، اور لاکھوں کے جہیز دیئے جاتے ہوں رسمیں ہوتی ہوں، حکام کی خوشامدیں ہوتی ہوں، اور انتخاب میں حصہ لیا جاتا ہو، اور وہ ضلع تین آرگنائزر نہیں رکھ سکتا، اگر آپ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ یہ سوال کرے تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا آپ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے کہ لاکھوں کی آمدنی والے شہروں میں مسلمان دینی تعلیم کے لئے کوئی انتظام محض پیسے کی کمی کی بنا پر نہیں کرسکے۔ آج آپ اس جلسہ سے فیصلہ کرکے جائیں کہ اس کام میں کوتاہی نہ ہونے دیں گے اگر آپنے یہ فیصلہ کرلیا کہ اپنے اخراجات میں سے دینی مکاتب کے لئے بھی حصہ رکھیں گے تو یہ ایک تاریخ ساز فیصلہ ہوگا۔ آپ یہ طے کرلیں گے کہ ہر جگہ مکاتب کا جال بچھا دیا جائے گا۔ دفاتر قائم کئے جائیں گے تعلیمی معائنہ کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں پائے گا۔ اور دینی تعلیمی کونسل سے برابر رابطہ قائم رہے گا چٹکی کے نظام کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ آپ امکانی حد تک اس مقصد کے لئے تمام مادی وسائل اختیار کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی، اور زیدکم قوۃ الیٰ قوتکم (تمہاری قوت میں اللہ تعالیٰ قوت کا اضافہ فرمادے گا) کا ظہور ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے آپ اپنی سی کوشش کرگزریں۔

آپ کو معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی کہتا کہ حضور کھانے کو نہیں تو آپ وہ تھوڑا کھانا منگواتے جو موجود ہوتا، پھر اس میں برکت کے لئے دعا فرماتے، آپ تو وہ نبی تھے کہ اگر ہاتھ اٹھا کر دعا فرمادیتے تو حضرت عیسیٰؑ کی طرح آسمان سے کھانے کا خوان (مائدہ) نازل ہوتا اسلام کی تعلیمات اور اس کی روح یہ ہے کہ موجود میں ترقی دی جائے، نہ کہ ہمیشہ معدوم کو وجود میں لایا جائے گا، یہی حال حدیبیہ کے موقع پر ہوا کہ لوگوں نے پانی کی کمی کی شکایت کی کہ لشکر ٹھہرا ہوا ہے، آپنے وہ تھوڑا پانی منگوایا جو لوگوں کے پاس تھا، اس کے بعد برکت کی دعا فرمائی اور پانی سب کے لئے کافی ہوگیا، یہی اسلام کی روح اور اس امت کے شایان شان ہے، جس کو قیامت تک کے لئے نمونہ اور معیار بنایا گیا ہے کہ آپ کے پاس جو کچھ موجود ہے وہ

پہلے پیش کردیجئے پھر اللہ تعالیٰ سے اس میں برکت کی دعا کیجئے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۃ الفتح)
اور آسمانوں اور زمین کے لشکر خدا ہی کے ہیں۔

اس طرح امت کے تشخص کی حفاظت کی ذمہ داری خود ملت کا فرض ہے، قرآن مجید نے صرف فرد کو مخاطب کرکے نہیں فرمایا، ہر "فرد" اور ہر "ملت" کے لئے قانون خداوندی یہی ہے کہ:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۝ (سورۃ النجم، ۳۹-۴۰-۴۱)	انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اسکی کوشش دیکھی جائے گی پھر اسکو اسکا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی سی کوشش کرنے اور امکانی سعی کو کام میں لانے والے کو بشارت بھی دی ہے کہ نہ صرف اس کی سعی کا نتیجہ نکلے گا بلکہ اس کی سعی مقبول ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس میں اپنی طرف سے برکت اور اضافہ فرمائے گا۔ "ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى"

حضرات! بحیثیت اس مذہب کے مُتبع اور داعی کے ہم پر اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ ملک کی تعلیمی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیتے رہیں، اور ہر وقت ان پر نظر رکھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ ان کا اثر ہمارے مذہب، ہماری نسلوں کے دل ودماغ اور ان کے دینی واخلاقی مستقبل پر کیا پڑے گا۔ میں یہ صاف کہدینا چاہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بہت سے دوسرے مذاہب کے برخلاف بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور بہت زیادہ متاثر کرتا ہے اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک زندہ اور ذی شعور مذہب ہے زندہ ہستی متاثر بھی ہوتی ہے اور مؤثر بھی، جو وجود زندگی کھو چکا ہوتا ہے، یا زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہوجاتا ہے، وہ نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ مؤثر، ہم اپنے مذہب کے لئے یہ پوزیشن قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ دنیا چاہے جتنی ہی بدل جائے، زندگی کے چاہے کیسے ہی نقشے بنیں نئی نسلوں کو ڈھالنے کے لئے کیسے ہی سانچے تیار ہوں ہمارے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہم بدستور مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں گے اور انسان اور خدا کا رشتہ اسی طرح قائم رہے گا، ہمارا مذہب ایک پورا نظام حیات ہے، وہ زندگی کے ہر شعبہ کے لئے متعین ہدایات اور احکام دیتا ہے اس لئے ہمیں ہر ملک اور ہر دور میں جو کنارا رہنا چاہیئے اور یہ دیکھتے رہنا چاہیئے کہ کیا ہمیں اپنے ذہنی اخلاقی اور روحانی نشوونما کے لئے مناسب فضا اور سازگار ماحول میسر ہے یا نہیں، اور ہماری آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں مسلمان رہ سکیں گی یا نہیں؟

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ اسلام صرف چند رسوم اور تقریبات کا نام نہیں چند عبادات تک بھی مخصوص نہیں، بلکہ یہ مکمل زندگی گذارنے کا طریقہ اور کامل دین ہے، ایک مختصر جملہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مستقل تہذیب ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا کوئی مخصوص طرز زندگی اور اس کی کوئی مستقل تہذیب نہیں۔ لہٰذا دوسری قومیں اور دوسرے ممالک کے لوگ اسلام قبول کریں تو اسلامی عقائد کو لے لینا ہی کافی ہے، تہذیبی اقدار کو لینے اور اختیار کرنے کی ضرورت نہیں

میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ یہ غیر اسلامی طرز فکر ہے، اسلام کو اصرار ہے کہ عقائد واعمال کے ساتھ اس کا مخصوص طرز زندگی بھی اپنایا جائے۔ قرآن وسنت کے منصوص طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک خاص طرح کی زندگی اور خاص طرح کی معاشرت چاہتا ہے، اسلام میں سونے جاگنے کھانے پینے سے لیکر نکاح وطلاق اور وراثت تک کے متعین ضوابط واحکام ہیں، اور اسلام کا مطالبہ ہے کہ انھیں کے مطابق زندگی گزاری جائے، اس کی خلاف ورزی نہ ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی باتوں سے لیکر انتہائی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی اور صحابہ کرامؓ نے انھیں سیکھا یا اور برتا۔

حضرات! اس غلط وناقص نصاب تعلیم کے اصلاح کا مطالبہ اور اس کے لئے ہر طرح کی جدوجہد ہمارا آئینی حق اور وطنی وقومی فرض ہے، اگر ہم اسکو جرأت اور استقامت کے ساتھ انجام دیں گے تو ہم اس ملک کے ساتھ حقیقی وفاداری اور صحیح حُبُّ الوطنی کا ثبوت بھی دیں گے، اس نصاب اور اس کے غلط اندیش وکوتاہ نظر مرتبین نے ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کو جو مایوسیوں سے معمور ہے ایک ذہنی انتشار واضطراب میں مبتلا کردیا ہے جو اس ملک کی قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی کے لئے سخت مضر اور ہندوستان کی مجموعی ترقی وخوشحالی میں حارج ہے اس لئے اس کی اصلاح اور اس نقص کا ازالہ وہ سب سے بڑی خدمت ہے، جو کوئی ہندوستانی انجام دے سکتا ہے، البتہ مذہبی طور پر یہ آپ کا فریضہ ہے اور اس میں کوتاہی یا اس سے روگردانی مذہبی گناہ اور اسلام سے دشمنی ہے۔

لیکن اس کام کو جاری رکھتے ہوئے آپکو وہ کام بھی کرنا ہے جس میں کسی حکومت کے کسی اقدام یا کارروائی کے انتظار کی ضرورت نہیں آپ کو اپنی نسل کے دینی تحفظ اور اسلام سے اس کے ربط وتعلق کا انتظام کرنا ہے، اور یہ ذمہ داری غذا، لباس، دوا، علاج، تعلیم اور معاش سے بدرجہا زیادہ ضروری ہے، آپ کو ہر حال میں اپنے بچوں کی اس ضروری دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا ہے، جس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے۔ یہی آیت قرآنی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (تحریم - ۶)

مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ۔

کا مفہوم اور تفسیر ہے اور یہی حدیث "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ" (تم میں سے ہر ایک صاحب اختیار ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں اور حلقۂ اثر کے بارہ میں سوال ہوگا) کے حکم کی تعمیل ہے اس کے لئے آزاد مکاتب صباحی ومسائیہ مدارس، دینی مجالس گھر کی تلقین و نگرانی، ماحول کی اصلاح، صحیح اور مفید کتابوں کی اشاعت اور ایسے بہت سے ذرائع ہو سکتے ہیں خصوصاً مدارس ومکاتب کا قیام اس وقت اتنا ضروری ہو گیا ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس وقت نئی نسل کی اسلامیت کے بقاء وتحفظ کے لئے کوئی اور تدبیر اتنی مؤثر ہو سکتی ہے اس سب کے لئے آپ کے قوی فیصلہ اور اجتماعی عزم کی ضرورت ہے۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طاقت کے بعد (جو اصل طاقت ہے) دنیاوی لحاظ سے سب سے بڑی طاقت جو زندگی کے پہیے کو رواں دواں رکھے ہوئے ہے جو مختلف وقتوں میں دنیا میں تبدیلیاں لاتی رہتی ہے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے کھسکا دیتی ہے، دریاؤں کے رُخ کو موڑ دیتی ہے، سلطنتوں کے چراغ گل کر دیتی ہے، ایسے واقعات کو جن کا تصور بھی مشکل ہوتا ہے وجود میں لے آتی ہے، وہ انسانی فیصلہ ہے اس فیصلہ نے بارہا افراد کی، اور خاندانوں کی نہیں قوموں کی اور انسانیت کی تقدیر بدل دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا موقع دیا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کا اظہار اور زندگی کا استحقاق ثابت کر کے بآبرو زندگی کے گذارنے کی مہلت لے لے، اور اس کے برعکس اپنی نااہلی، کفران نعمت اور ظلم وفساد کا مظاہرہ کر کے زندگی کے حق اور اللہ کی نعمتوں سے محرومی کا فیصلہ کرالے، اسی کا نام ہے تقدیر کا بدل جانا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ط (سورۃ الرعد - ۱۱)

اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے۔

اللہ فرماتا ہے کہ وہ کسی قوم کی دی ہوئی نعمت اس وقت تک نہیں چھینتا اور اس کی تقدیر نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی پیدا کر کے اور ناشکری کر کے نعمت خداوندی سے محرومی اور عزت کے بعد ذلت کا فیصلہ نہ کرلے۔

حضرات! مسائل ومشکلات کی نہ تعداد مقرر ہے نہ نوعیت معین، کوئی بڑے سے بڑا ہیضہ اور مورخ بھی نہ ان کی تعداد بیان کر سکتا ہے نہ اقسام معین کر سکتا ہے، لیکن ایک "شاہ کلید" (MASTER KEY) ہوتی ہے جو سارے قفلوں کو کھول سکتی ہے، اور ساری رکاوٹوں کو دور کر سکتی ہے، اس کے لئے زمان ومکان کی بھی قید نہیں، اور اسباب ووسائل کی بھی شرط نہیں، وہ شاہ کلید جس سے ہر قفل کھل سکتا ہے وہ ہے ملی عزیمت، اور اجتماعی فیصلہ اگر اس ملک کے مسلمان یہ فیصلہ کر لیں کہ ان کو اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل کا تحفظ اور ان کی تعلیم کے مسئلہ کا حل ہر مسئلہ، ہر مفاد، ہر سہولت، ہر عزت ہر خوشحالی اور ہر کامیابی سے زیادہ عزیز ہے تو یہ مسئلہ ایک دن میں حل ہو سکتا ہے، اس کیلئے ان کو ہر وہ قربانی دینی ہوگی جس کی اس جمہوری ملک کے اندر اور دستور کے ماتحت گنجائش ہے، اور جو اس ملک کے حقیقت پسندوں پر اور دنیا کے دوسرے ممالک پر ثابت کر دے کہ مسلمانوں کو اپنا دین وایمان اور اپنی اولاد کا اسلام پر قائم رہنا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے، یہ کام بغیر کسی تخریب، کسی جارحانہ اقدام کسی معاندانہ ذہنیت کسی حریفانہ کشمکش، کسی شر پسندی اور انتشار کے بغیر ہو سکتا ہے لیکن اس کے لئے ذاتی مفادات، ذاتی جذبات اور ذاتی وابستگیوں کی قربانی کی ضرورت ہوگی، اس قربانی کے بغیر کسی چھوٹی سے چھوٹی قوم کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ شعار، اس کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی نشانی اور حقیر سے حقیر مفاد بھی محفوظ نہیں رہتا، ایک ملت کا مستقبل اور اس کی شہ رگ اس کی وریدِ حیات کیسے محفوظ رہ سکتی ہے، اس کا صرف ایک ہی حل ہے، اور وہ ہے ملی عزیمت اور اجتماعی فیصلہ اور میں اسی کو درد کی آخری دوا سمجھتا ہوں، اور اقبال کے الفاظ میں اپنی گذارش کو ختم کرتا ہوں ؎

خودی سے مرد خود آگاہ کا جمال وجلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل جنوں کی تدبیریں

غزل

ڈاکٹر محمد حسین فطرت

تسکینِ دل وجاں کا طلب گار ہوا ہوں
خوابوں کے سفر کے لیے تیار ہوا ہوں
کج فہمیٔ واعظ سے میں بیزار ہوا ہوں
کچھ سوچ کے ہی ہمدم میخوار ہوا ہوں
احباب کے بگڑے ہوئے حلیے کو جو دیکھا
اس وقت ہی سے محرمِ اسرار ہوا ہوں
احباب سے تحسینِ ہنر کا نہیں خواہاں
خود اپنے ہی فن کا میں پرستار ہوا ہوں
اک عمر جلایا ہے لہو اپنا شب و روز
جب جا کے کہیں شاعر و فنکار ہوا ہوں
میرے لیے دنیا میں کئی اور ہنر تھے
میری غلطی یہ ہے قلم کار ہوا ہوں
میں اپنا کلام آپ ہی سنتا ہوں ہمیشہ
تنہائی میں اکثر میں غزل بار ہوا ہوں

شانِ تجدید

سید صاحبؒ (سید احمد شہیدؒ) جوہری ہیں اور ہم صندوق

مولانا عبدالباری ندویؒ

"بعض رسوم اس قدر قلب میں جاگزیں ہو جاتے ہیں کہ بڑے بڑے علماء وصلحا بھی باوجود تقویٰ وطہارت ان رسوم سے آگاہ نہیں ہوتے اور ان میں تساہل برتتے ہیں اور یہ تساہل بوجہ حسن ظن کے پیش آجاتا ہے (لہٰذا بوجہ غلبۂ حال کے نظر ہی نہیں پڑتی) اور وہ عام لوگوں کے اغراض وعقاید پر مطلع نہیں ہوتے اور ان رسوم کے مفاسد متعدیہ کی طرف جو مآل کار ظاہر ہوتے ہیں بوجہ دقیق ہونے کے ان کی نظر میں نہیں پہنچتیں۔ ان مفاسد کا معلوم کرنا ایسے ہی شخص کا خاص حصہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلع قمع کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، چنانچہ حکایت ہے کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے چچا مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث کے گھر تشریف لے گئے، معلوم ہوا کہ عورتوں نے بی بی کی صحنک کی ہے، مولانا شہیدؒ نے منع فرمایا اس پر ان کے چچا شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ اسمٰعیل یہ تو ایصال ثواب ہے تو اس میں کیا حرج ہے مولانا شہید نے جواب دیا کہ یہ بھی تو اس "حجر" میں داخل ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے: "وقالوا هذه انعام وحرث وحجر لا يطعمها الا من نشاء بزعمهم" چنانچہ اس میں بھی یہ شرطیں لگائی جاتی ہیں کہ عورتیں کھائیں، مرد نہ کھائیں اور وہ بھی سہاگنیں کھائیں... شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ واقعی اب تک یہ بات ہماری سمجھ میں نہ آئی تھی، اور حقیقت یہی ہے جو تم کہتے ہو۔"

ایسا ہی حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ کا قصہ مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے ساتھ ہوا کہ حضرت سید صاحب مفتی صاحب کے گھر تشریف لائے گھر کے اندر سے ایک لڑکا ماں کی گود میں باہر لایا گیا جس کے ہاتھوں میں چاندی یا سونے کے کڑے تھے اور وہ لڑکا مفتی صاحب کے خاندان کا تھا، حضرت سید صاحب نے فرمایا مفتی صاحب یہ تو حرام ہے، مفتی صاحب نے فرمایا کہ والدہ سے کہدیا کہ سید صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہیں۔ تھوڑی دیر میں پھر ماما آئی اور مفتی صاحب سے کہا کہ آپ کو والدہ بلاتی ہیں فرمایا چلو آتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر میں تقاضا ہوا۔ اور یہی جواب ملا۔ کئی بار کے بعد سید صاحب نے فرمایا والدہ بلاتی ہیں ہو آئیے، کچھ ضرورت ہوگی، مفتی صاحب نے فرمایا کہ حضرت کچھ کام نہیں فضول واہیات کام کیلئے بلاتی ہیں۔ سید صاحب نے پوچھا کیا کام ہے، مفتی صاحب نے جواب دیا کہ شادی ہے اور چاول کوٹنے کے لئے موسل میں ڈور لپٹ رہی ہیں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ مولانا یہ تو شرک ہے اس پر مفتی صاحب نے فرمایا کہ والدہ سے کہدو کہ سید صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شرک ہے، یہ باتیں جس مجلس میں ہو رہی تھیں اس میں ایک شخص نے دلیری سے مفتی صاحب سے کہا کہ سب کچھ سید صاحب ہی فرماتے ہیں، آپ بھی کچھ فرماتے ہیں، آپ نے کس واسطے پڑھا تھا۔ گویا آپ کچھ جانتے ہی نہیں اس پر مفتی صاحب نے فرمایا کہ بھائی سچ یہ ہے کہ ہماری مثال اس صندوق کی سی ہے جو جواہرات سے پُر ہو مگر وہ صندوق ان جواہرات کی قدر وقیمت کو نہیں پہچانتا، بلکہ جوہری پرکھ کر ہر ایک کی قیمت کو بتاتا ہے اسی طرح ہم نے سب کچھ پڑھا مگر جو سید صاحب نے سمجھا وہ ہم نے نہیں سمجھا۔ تو سید صاحب جوہری ہیں اور ہم صندوق۔"[1]

[1] تجدید دین کامل

مولانا واضح رشید صاحب ندوی
ترجمہ: محمد وصاف عالم ندوی

انسان عصر حاضر اور عصر ماضی میں

مغربی مفکرین کا ایک نظریہ یہ ہے جس کو عالم اسلام کے مغرب زدہ لوگوں نے آنکھ بند کر کے قبول کر لیا ہے کہ عہد وسطیٰ، ظلم و تشدد، آزادئ فکر و نظر کی پابندی اور استبداد کا عہد تھا یہ رائے اس طرح عام ہو گئی ہے کہ ہر قلم کار جو اس عہد کے سلسلہ میں قلم اٹھاتا ہے وہ اس نظریہ سے صرف نظر نہیں کر پاتا اور ظلم و تشدد، رعایا کی مظلومیت اور حکام کی آمریت کی داستان رقم کر جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ ماضی میں شخصی حکومتیں قائم تھیں جو یورپ میں بھی تھیں اور ایشیا میں بھی اور افریقہ میں بھی۔ اس وقت دولت کے حصول اور معیار زندگی کو بلند کرنے کے ایسے مواقع حاصل نہیں تھے جو آج کے صنعتی عہد میں کمپنیوں اور فیکٹریوں کی کثرت اور تجارت کے پھیلاؤ کی وجہ سے حاصل ہیں اور سرمایہ کاری کے لیے تنظیموں کے قیام اور علمی اور فنی ماہرین کی کثرت اور قوت خرید، درآمد برآمد کی سہولت، علم و فن کی ترقی ایک ملک سے دوسرے ملک کے اسفار کی آسانیاں جو اس وقت میسر ہیں وہ پہلے نہیں تھیں اس میں بھی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ موجودہ تہذیب کی یہ عظیم کامیابی ہے جس میں وہ عہد ماضی سے بہتر ہے، لیکن انسان کی عملی زندگی کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان تمام سہولتوں اور عصر حاضر کی کامیابیوں اور صنعتی ترقیوں اور معیار زندگی کی بلندی کے باوجود انسان پریشانیوں پابندیوں اور جبر و قہر سے آزاد نہیں ہو سکا بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوا ہے ہاں پریشانیوں کے نام اور شکلیں ضرور بدل گئی ہیں۔

حقیقت حال کی واقفیت کے لیے ایمنسٹی انٹرنیشنل کی وہ رپورٹس کافی ہیں جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہیں جو موجودہ دنیا میں انسانی حقوق کی صورت حال بیان کرتی ہیں یہ رپورٹیں ایک آئینہ کے مانند ہیں جس میں بآسانی موجودہ عہد کی شکل دیکھی جا سکتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ظلم و استبداد، بیجا مداخلت، بنیادی حقوق سے محرومی اور رنگ و نسل کے اختلاف، سیاسی فکر و نظر کی ناموافقت اور طرز معاشرت کے فرق کی وجہ سے ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ ایک طبقہ دوسرے طبقہ کے ساتھ ایک حکومت اپنے عوام کے ساتھ کس کھلی جارحیت کا مظاہرہ کر رہی ہے اس کے لیے بہت زیادہ غور و خوض اور کسی گہری نظر کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے ادراک کے لیے عقل عام کافی ہے۔

مسلح کشمکش، انسانی لہو کی ارزانی، پرتشدد کارروائیاں پوری دنیا میں عام ہیں۔ چھوٹی بڑی طاقتوں کے ہاتھ اس سے رنگیں ہیں، اس کی زندہ مثال پناہ گزینوں اور شرنارتھیوں کا ایک ملک سے دوسرے ملک سے ہجرت کرتا ہوا یہ سیلاب بلا ہے جو بڑھتا جا رہا ہے اور اس کے لیے اقوام متحدہ کا ایک مستقل ادارہ ہے جن کی تعداد قدیم عہد کی پوری دنیا کی آبادی کے برابر ہو گئی ہے، باصلاحیت، اہل لیاقت اور جینیس لوگ اپنے اپنے ملکوں میں آزاد نہیں ہیں ان کی بڑی تعداد دوسرے ملکوں میں آباد ہونے پر مجبور ہوتی ہے سیاستدانوں اور مفکروں اور سابق وزیروں کا اپنی جانوں کا اندیشہ اور اپنے وطن میں عدم تحفظ کا احساس عام ہے۔ انسان کو اذیت پہونچانے کے لیے زہریلی گیس اور ہلاکت خیز ہتھیاروں کا عام رواج ہے اور اس زہریلے مادہ کے لیے بڑے بڑے کارخانے قائم ہیں، ناتواں لوگوں پر بلغار موجودہ دنیا کا ایک عام سی بات ہے، سیاسی اور اجتماعی دونوں میدانوں میں اس کا یکساں مظاہرہ کیا جا رہا ہے تاریخ سے اگر کسی کو کچھ بھی لگاؤ ہے تو وہ اس بات کی تصدیق کرنے پر مجبور ہوگا کہ آج اقتدار و قوت کے حصول کے لیے جائز ناجائز جو وسائل اختیار کیے جاتے ہیں، ان سے قدیم دنیا ناواقف تھی، اور عوام اسی طرح بے بس ہیں جس طرح قدیم عہد میں تھے۔

جو ممالک پسماندہ و کمزور ہیں انھیں جس انداز میں مختلف قسم کی ریشہ دوانیوں اور سیاسی دباؤ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس کی مثال ماضی کی تاریخ میں نہیں ملتی، اس دباؤ کے لیے انوکھی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں جن سے ظلم کرنے والا اپنی کارروائی کا جواز تلاش کر لیتا ہے ان کی سازشوں سے انقلابات رونما ہوتے ہیں، حکومتیں بدلی جاتی ہیں، اہل حکومت بدلے جاتے ہیں، ملک کی سیاسی پالیسی بدلی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ انقلاب عوام کی مرضی سے عمل میں آیا ہے حالانکہ عوام کا کوئی تعلق اس سے نہیں ہوتا۔

نئی طاقت برسر اقتدار آتی ہے تو اگلوں کے کام اور ان کی پالیسی کو یک قلم منسوخ کر دیتی ہے اور ان کے آثار تک کو محو کر دینے پر تل جاتی ہے،

ان کے ہر اقدام پر لعن طعن کی بارش کی جاتی ہے اور ملک کو ایک نئی جہت پر ڈالنے کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے، حکام فرضی انتخاب میں بڑی اکثریت سے منتخب ہوتے ہیں، جیل خانوں کو پرانے قیدیوں سے خالی کر کے نئے قیدیوں سے بھرا جاتا ہے، قیدیوں کو جن میں اہل علم و دانش اور اہل فکر اور اہل ثروت اور مصلح ہوتے ہیں سخت جسمانی اذیتیں دی جاتی ہیں اکثر جھوٹے الزامات لگا کر جبراً ان سے اعتراف جرم کروا کر ان کو موت کی سزا دیدی جاتی ہے۔ غارت گری، جنگوں اور حملوں کا سلسلہ ہر دور میں رہا اور اس دور میں بھی ہے لیکن پناہ گزینوں کے خیموں پر حملوں اور اپنے گھروں میں میٹھی نیند سونے والوں کا بے دریغ قتل۔ لڑکوں اور شیر خوار بچوں حتیٰ کہ شکم مادر میں معصوم جانوں کو یک لخت ختم کر دینے کا جنون، خدا کے حضور میں سجدہ ریز بے گناہ بندوں کا اجتماعی قتل اور تجارتی مرکزوں، فیکٹریوں اور کارخانوں کو نذر آتش کرنا اور لوگوں کو زندہ جلا دینا، عبادت خانوں اور مسجدوں کا غاصبانہ انہدام، کتب مقدسہ کی بے حرمتی اور محض عقیدہ کے اختلاف، فکر و نظر کی نا اتفاقی کی وجہ سے مختلف قبیلوں اور قوموں کا علم و فن اور ذرائع معاش سے محرومی، رنگ و نسل کی بنیادوں پر امتیازی سلوک جس طرح اس زمانہ میں عام ہے قدیم زمانہ میں اتنا عام نہ تھا اور آج کی طرح اس زمانہ کی حکومتیں اور بڑی طاقتیں اس ظالمانہ اقدار پر اس طرح ایمان نہیں رکھتی تھیں جس طرح آج کی ترقی یافتہ اور حریت و مساوات کی علمبردار طاقتیں نہ صرف یہ کہ ایمان رکھتی ہیں بلکہ ان کو برت رہی ہیں اور دوسری طرف عہد وسطیٰ کا بنظر حقارت جائزہ بھی لیتی رہتی ہیں۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ علم و فن اور صنعت و حرفت کے امکانات اس عہد میں بہت وسیع ہیں، لیکن اس علم و فن اور صنعت گری سے انسانیت کی تعمیر کے بجائے اس کی تخریب کا زیادہ کام لیا جا رہا ہے اگر کسی کو یقین نہ ہو تو مختلف ملکوں میں دفاع کے وسائل پر جو کچھ خرچ کیا جا رہا ہے اس کو دوسرے رفاہی کاموں پر خرچ ہونے والے اخراجات سے موازنہ کر کے دیکھ لے۔

بڑی طاقتیں عالمی مسائل میں یہ کہہ کر دراندازی کرتی ہیں کہ طاقت کے توازن میں فرق آ رہا ہے اور اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو باور کرائیں کہ کسی بھی منطقہ سے ان کے انخلاء کے نتیجہ میں عدم توازن کا خطرہ ہے لیکن یہ بھی کسی سے مخفی نہیں کہ ان کی ہر ادا کسی نہ کسی سیاسی مصلحت اور اندرونی داؤ پیچ کا نتیجہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں ان کی شدت سے ضرورت محسوس کی جاتی ہے وہاں ان کا کوئی کارندہ بھی نہیں پہونچتا اور جہاں ان کی قطعی ضرورت نہیں ہوتی وہ بن بلائے مہمان کی طرح آ موجود ہوتی ہیں، ظالم ظلم کا جواز تلاش کر لیتا ہے اور اپنے ظلم کو مدد اور نجات دہندگی کا نام دیتا ہے اور مظلوم اپنی مظلومیت کا رونا روتا رہتا ہے، اور اس کی دادرسی کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔

بڑی طاقتوں کا یہ نفاق اور کھلا تضاد بوسنیا ہرزہ گوینا کے سلسلہ میں کھل کر سامنے آیا سوڈان عراق اور لیبیا کے سلسلہ میں بھی ان کی پوزیشن دیکھنے میں آئی امریکہ کے کمرشیل سینٹر میں دھماکے کے سلسلہ میں ان کی دارو گیر بھی دنیا نے دیکھی اور مسجد ابراہیمی کی آتش زدگی کے اندوہناک المیہ پر بھی ان بڑی طاقتوں کا موقف دنیا نے دیکھ لیا۔

عالمی مسائل کی سنگینی اور ان کی ژولیدگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں کوئی غیر جانبدار طاقت، کوئی نیوٹرل تنظیم اور کوئی انصاف پرور نظام عدل قائم نہیں ہے جو اصول و انصاف کی بنا پر عالمی مسائل میں ثالثی کرے اور ظالم کو ظلم کرنے سے روک دے اور مظلوم کی اشک شوئی کرے یہ ایک ایسی صورت حال ہے جو پوری انسانیت کے لیے زبردست خطرہ کا پیش خیمہ بنتی جا رہی ہے۔

اقوام متحدہ کی یہ حیثیت تھی کہ وہ عالمی مسائل میں ثالثی کے فرائض انجام دے لیکن افسوس کہ وہ ان بڑی طاقتوں کے ہاتھوں میں ایک آلکار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی جو آپس میں ایک بلاک کی حیثیت رکھتی ہیں اور جن کے مصالح مشترک ہیں اور ایک ہی نظریہ کے حامل ہیں کہ کسی طرح نوع بشری کے مصائب سے فائدہ اٹھا کر ان کو دست نگر بنایا جائے اور سیاسی فائدہ اٹھایا جائے۔

انسانیت کا کوئی مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی ایسی طاقت سامنے نہیں آتی جو غیر جانبدار اور انصاف پرور ہونے کے ساتھ تمام مادی اغراض سے بالاتر ہو اور عالم انسانی کی مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہو جائے اور کسی ظالم کے سامنے کسی چٹان کی طرح جم جائے۔

دنیا کی موجودہ حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے آج کا مغرب زدہ اور روشن خیال طبقہ موجودہ تہذیب و تمدن کی ترقیوں کا چاہے جس قدر دعویٰ کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قبائلی اور نسلی امتیاز کا منحوس سایہ امریکہ یورپ اور افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں پر آج بھی مسلط ہے اور سفید فام نسل بڑی طاقتوں کی شہ پر دوسری نسلوں کا استحصال کر رہی ہے۔

موجودہ یورپ کا سیکولرزم بھی بے نقاب ہو گیا ہے دنیا انتہا پسندی اس وقت پورے یورپ میں عام ہے اس نے ساری دنیا کا چہرہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے (باقی صفحہ ۲۱ پر)

قربانی

ہر صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے

عیدالاضحیٰ کی اہمیت قربانی سے ہے۔ عیدالاضحیٰ جب آتی ہے تو ایثار و قربانی کے وہ مناظر جو اللہ کے ایک محبوب بندے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے معبود حقیقی کو راضی کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے اپنے چہیتے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو منیٰ کی وادی میں قربانی کے لیے پیش کیا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ دنبے کی قربانی مقبول فرما کر اس سنت کو ملت براہیمی کے پیروکاروں پر لازم کر دیا۔ لہٰذا ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا کی مالیت جس کے پاس ہو اور وہ حوائج ضروریہ سے زائد ہو، وہ صاحب نصاب کہلائے گا۔ اس پر قربانی واجب ہے اگر وہ قربانی نہیں کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔ لہٰذا ایک خاندان میں جو ایک ساتھ ایک گھر میں رہتے ہیں۔ متعدد افراد پر قربانی واجب ہو سکتی ہے، اگر گھر میں کئی صاحب استطاعت ہوں تو ہر ایک کی طرف سے قربانی ضروری ہے، عام طور پر لوگ ایک بکرا یا بڑے جانور میں ایک حصہ لے کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ قربانی سب کی طرف سے ہو گئی ایسا نہیں ہے بلکہ ہر صاحب استطاعت کی طرف سے قربانی کرنا لازم و ضروری ہے۔ بعض لوگوں کو ایسا کرتے بھی دیکھا گیا کہ وہ بجائے اپنی طرف سے قربانی کرنے کے اپنے مرحومین میں سے کسی کی طرف سے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے قربانی کرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے جن کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے ان کو ثواب تو ضرور پہونچے گا لیکن قربانی کرنے والے کے ذمہ سے فرض قربانی ساقط نہیں ہوگی اس ترک فرض پر وہ گناہ گار ہوگا بالکل ایسے ہی جیسے کوئی شخص سال بھر روزہ رکھے اور اس کا ثواب مرحومین کو پہونچائے لیکن جب رمضان آئے تو روزہ نہ رکھے، یا نوافل نماز کا اہتمام تو کرے لیکن فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے، تو ایسا کرنے والا اپنے فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والا سمجھا جائے گا۔ اس سلسلہ میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے

قربانی کے دنوں میں کوئی صاحب نصاب ہو گیا تو اس پر قربانی فرض ہو جائے گی اس مال پر سال گذرنا شرط نہیں۔

اسی طرح کوئی غریب شخص قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدتا ہے یا کسی بڑے جانور میں کوئی حصہ لیتا ہے تو اس کے ذمہ بھی قربانی لازم ہو جائے گی لیکن دسویں ذی الحجہ سے پہلے اگر کسی امیر نے ایسا کیا ہو تو جانور یا حصہ کو بدلا یا فروخت کیا جا سکتا ہے۔

جس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ ماہ ذی الحجہ کے آغاز سے جب تک قربانی نہ کرے جسم کے کسی عضو سے بال یا ناخن صاف نہ کرے کہ قربانی کرنے والا اپنے جان کے فدیہ میں قربانی کر رہا ہے اور قربانی کے کے جانور کا ہر جز قربانی کرنے والے کے جسم کے ہر جز کا بدلہ ہے، جسم کا کوئی جز نزول رحمت کے وقت غائب ہو کر قربانی کی رحمت سے محروم نہ رہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکور حکم دیا ہے۔ لیکن چالیس دن سے زائد اگر ہو چکا ہو تو کراہت سے بچنے کی خاطر ایسا کیا جا سکتا ہے۔

● مولانا محمد خالد ندوی

عیدالاضحیٰ کے چند مسائل

س: قربانی کس پر واجب ہے؟

ج: قربانی ہر اس مسلمان عاقل، بالغ، مقیم پر واجب ہے جس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی (تقریباً ۲۵۰ گرام چاندی) یا اس کی قیمت کا مال حاجات اصلیہ سے زائد ہو۔

س: کیا قربانی واجب ہونے کے لیے سال گذرنا شرط ہے؟

ج: قربانی واجب ہونے کے لیے مال پر سال کا گذرنا شرط نہیں ہے۔

س: ایک شخص قربانی کی استطاعت رکھتا ہے پھر بھی نہیں کرتا تو کیا اس پر کچھ وعید ہے۔؟

ج: ہاں! اس کے لیے سخت وعید ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص قربانی کی استطاعت رکھتا ہے اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے (یعنی وہ خدا کے حضور میں حاضری کے لائق نہیں ہے)

س: عیدالاضحیٰ کے دن مستحب یہ ہے کہ عید کی نماز تک کھانے پینے سے رکا رہے، یہ حکم کس کے لیے ہے، جو قربانی کرنے والا ہے اس کے لیے یا

سب کے لیے؟

ج: یہ صرف قربانی کرنے والے کے لیے نہیں ہے بلکہ سب کے لیے مستحب ہے کہ روزہ دار کی طرح رہیں۔ اور عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد کھائیں، اور اگر خود قربانی کی ہے تو اپنی قربانی سے کھائیں۔

س: ایک شخص پر قربانی واجب تھی، لیکن اس نے قربانی نہیں کی یہاں تک کہ دن گذر گئے تو اب وہ کیا کرے؟

ج: ایک بکری کی قیمت صدقہ کر دے اگر قربانی کے لیے جانور لے لیا ہے تو اس کو اختیار ہے، چاہے تو اس کو صدقہ کر دے، یا اس کی قیمت خیرات کر دے۔

س: چرم قربانی خود استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ج: خود استعمال کر سکتے ہیں، لیکن اگر اس کو فروخت کر دیا ہے تو اب قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے، اس کو خود نہیں استعمال کر سکتے ہیں۔

س: اگر بچہ صاحب نصاب ہو تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

ج: بچہ پر قربانی واجب نہیں ہے، اگرچہ وہ صاحب نصاب ہو۔

س: ایک شخص قربانی کا گوشت تقسیم نہیں کرتا بلکہ فریزر میں رکھ کر کھاتا ہے، شرعاً اس کا یہ عمل کیسا ہے؟

ج: اس کا یہ عمل خلاف اولیٰ ہے، کیونکہ افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے میں تقسیم کرے، ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لیے رکھے، ایک حصہ احباب وغیرہ میں تقسیم کرے، ایک حصہ فقراء و مساکین میں تقسیم کرے۔

س: کیا اس جانور کی قربانی کر سکتے ہیں جو صرف ایک آنکھ سے دیکھتا ہو، اسے دوسری آنکھ سے نہ دکھائی دیتا ہو؟

ج: نہیں! ایسے جانور کی قربانی نہیں کر سکتے ہیں؟

س: کیا اس جانور کی قربانی کر سکتے ہیں جس کے کان کٹے ہوں؟

ج: نہیں! ایسے جانور کی قربانی نہیں کر سکتے ہیں۔ جس کے کان کٹے ہوں۔

س: کیا بیوی کی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے؟

ج: واجب نہیں ہے۔

س: ایک بکرا لنگڑاتا ہے تو کیا اس کی قربانی ہو سکتی ہے؟

ج: اگر اتنا لنگڑاتا ہو کہ خود مذبح تک نہ جا سکے تو قربانی درست نہیں ہے۔ (باقی ص۲۷ پر)

(بقیہ) لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال

جو اس کی تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ مگر اس کی شکایت کرتے ہوئے اس لئے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے دین و ایمان پر کوئی حرف نہ آجائے ان دونوں قسم کے لوگوں کے سامنے دین کی صحیح نمائندگی کرنا ہمارا فرض ہے۔

اب رمضان کا مقدس مہینہ شروع ہو گیا ہے یہ مہینہ ہم سے شرعی احکام کی سختی کے ساتھ پابندی کا مطالبہ کرتا ہے یہ عبادتوں کا مہینہ ہے اور اس میں نماز تلاوت، اور ذکر، جتنا بھی ہو سکے باعث فضیلت ہے، لیکن ہمیں چاہیئے کہ یہ ساری عبادتیں اس طرح انجام دیں کہ ان سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے اور ناجائز طریقوں کی بدولت ان عبادتوں کا ثواب ضائع نہ ہو لاؤڈ اسپیکر کا استعمال صرف بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کیا جائے اس سے آگے نہیں، مذکورہ بالا گزارشات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شریعت نے دوسروں کو تکلیف سے بچانے کا کتنا اہتمام کیا ہے؟ جب قرآن کریم کی تلاوت اور وعظ و نصیحت جیسے مقدس کاموں کے بارے میں بھی شریعت کی ہدایت یہ ہے کہ ان کی آواز ضرورت کے مقامات سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے۔ تو گانے بجانے اور دوسری لغویات کے بارے میں خود اندازہ کر لیجئے کہ ان کو لاؤڈ اسپیکر پر انجام دینے کا کس قدر دہرا وبال ہوگا؟

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ اور صالح عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بشکریہ البلاغ۔ کراچی۔ مارچ ۱۹۹۴ء

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات عمدہ و اعلیٰ قسم کے روغنیات و عرق کیوڑہ، عرق گلاب و دیگر عطریات کی ایک قابل اعتماد دوکان۔ ایک مرتبہ تشریف لا کر خدمت کا موقع دیں۔

خط و کتابت کا پتہ

اظہار احمد اینڈ سنس پرفیومرس چوک لکھنؤ

حضرت مولانا کی کتاب کاروانِ زندگی۔ ۵

ایک مطالعہ

پروفیسر وصی احمد صدیقی

کاروانِ زندگی کا پانچواں حصہ جس کا سب انتظار کر رہے تھے ہاتھوں میں آگیا اور اندازہ ہوا کہ یہ انتظار کتنا مبارک تھا جس کا حاصل یہ کتاب رہی۔ اس کتاب کے متعلق کچھ لکھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی مصوّر گل لالہ یا گلاب کی پنکھڑیوں پر نقش و نگار بنانا شروع کر دے۔ اس خیال سے کہ اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ کوشش کیسی لاحاصل ہوگی۔ مگر میرے ذہن میں بار بار وہ بڑھیا آتی ہے جو مصر کے بازار میں سوت کا گولے کر حضرت یوسفؑ کی خریداری کے لیے آئی تھی تاکہ یوسفؑ کے خریداروں میں اس کا نام بھی لکھا جائے۔ اس جنس گراں کی خریداری کے لیے میں بھی بازار میں آیا۔ پڑھنے والوں سے میری درخواست ہے کہ اس بڑھیا کے جذبہ کو دیکھیں یہی جذبہ میری اس ٹوٹی پھوٹی تحریر کا باعث ہے۔

بے محل سہی لیکن میں ایک واقعہ لکھنوں کالج میں لکچرر کا انٹرویو تھا۔ رات میں اس دعوت میں شریک ہوا۔ جو اکسپرٹ صاحب کی تواضع میں دی گئی تھی۔ وہ صاحب ایک بڑی یونیورسٹی کے صدر شعبہ تھے۔ انھوں نے ایک واقعہ سنایا کہ ان کے شعبہ میں لکچرر کی تقرری کے لیے انٹرویو ہو رہا تھا۔ وہ ایک امیدوار سے دلچسپی رکھتے تھے۔ جس کی اہلیت معمولی تھی۔ مقابلہ پر ایک بہت ذہین اور لائق لڑکا تھا۔ جس کو کاٹنا مشکل کام تھا۔ اکسپرٹ جو آئے تھے ان کے دوست تھے۔ ان کو صدر شعبہ نے سمجھایا کہ خواہ وہ لڑکا کتنا ہی صحیح جواب دے تم اپنا منہ ایسا بنانا جیسے بہت مہمل جواب دے رہا ہو۔ وائس چانسلر صاحب کا اس مضمون سے تعلق نہ تھا اور تھوڑے سے غبی بھی تھے۔ ایسا ہی ہوا۔ وہ اکسپرٹ کے چہرہ کے اتار چڑھاؤ دیکھتے رہے۔ فیصلہ ہوگیا۔ نالائق چن لیا گیا اور لائق نکال باہر کیا گیا۔ یہ واقعہ انھوں نے اپنی ذہانت کے بیان میں تباہ شریک طعام ہنسے لیکن خوش دلی سے نہیں۔ اور خود میرا تلخیِ کام و دہن سے معاملہ پڑ گیا۔

"یہ جملہ معترضہ" صرف اس بات کی وضاحت کے لیے ہے کہ ایک مؤرخ واقعات کے لیے صرف بیانیہ انداز رکھتا ہے۔ بہت ہوا تو کچھ اسباب و علل پر بات کر لی۔ چہرے کے "نقوش" سے اس کا تعلق نہیں ہوتا۔ تاتاریوں کا حملہ ہوتا ہے۔ تباہی اور بربادی کا سیلاب جلو میں چلتا ہے اور دجلہ کا پانی سرخ و سیاہ ہو جاتا ہے۔ سعدی آسمان سے خون برسانے کو کہتے ہیں۔ بس یہی ایک انسانی جذبہ کا بیان ہے ورنہ مورخ کا قلم چتا رہا خود اس کی روح اس بیان میں نہیں داخل ہوئی۔ ہسپانیہ کی تاریخ دیکھئے مورخ طارق بن زیاد کے داخلہ کا بیان کرے گا بتاعر کشتیوں کو جلانے کا ذکر کرے گا ہر ملک ملک مات کی بات کرے گا۔ ایک لمبی داستان عروج کی ہوگی۔ کون کس کے بعد آیا۔ پھر انحطاط کا بیان ہوگا۔ طوائف الملوکی اور ایک دوسری کی گردن کاٹنے کا۔ شاہ عبداللہ غرناطہ سے روتے ہوئے نکلیں گے۔ ماں کی ڈانٹ کھائیں گے۔ سات سو برس کی داستان کتنی ہی ضخیم کتاب میں بیان ہو ایک جگہ ختم ہو جائے گی۔ سلطنتِ عثمانیہ کی روداد پڑھیے آپ دیکھیں گے کہ تقریباً ہسپانیہ ہی کی داستان ہے۔ گو زوال اتنا اندوہناک نہیں۔ سلطان عثمان سے شروع ہوئی اور سلطان عبدالمجید پر ختم ہوگئی۔ کوئی بھی تاریخ پڑھیے جگہیں اور واقعات بدل جائیں گے۔ مگر حالات کا منطقی نتیجہ ایک ہوگا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد غلام خاندان پھر سلاطین کا عہد پھر مغل۔ خاتمہ بہادر شاہ ظفر پر ہوا جن کو دو گز زمین مل نہ سکی کوئے یار میں۔ کتنی یکسانیت سب کے عروج و زوال میں ہے۔ زمانہ وسطیٰ میں صلیبیوں سے لڑائی کی داستان پڑھیے۔ اس فاتح کو دیکھیے جس نے اپنی تلوار سے یوروپ کے متحدہ لشکروں کو شکست دی۔ اور جس نے اپنا جھنڈا مشرق و مغرب میں لہرایا۔ بڑے بڑے مصنفین نے اس کی نرم دلی اور شرافت کو اپنی کتابوں کا موضوع بنایا۔ والٹر اسکاٹ کی ناولیں اس کے گرد چکر لگاتی ہیں صرف اسکاٹ نہیں معلوم نہیں کتنے جرمن اور فرنچ لکھنے والوں نے اپنا خراجِ عقیدت پیش کیا۔ یہ صلاح الدین ایوبی کا ذکر ہے۔ مگر ان کی عظمتوں کا بیان واقعات کے تسلسل کے ساتھ ہوگا۔ اور پڑھنے والوں کا خراجِ عقیدت صرف اس بے مثال شخصیت کو پیش ہوگا۔

کاروانِ زندگی کی یہ پانچویں جلد ۱۹۹۰ء کے آخری دو مہینوں سے شروع ہو کر ۱۹۹۳ء کے خاتمہ تک کے حالات کا احاطہ کرتی ہے، اور اس دور کے سارے عمل اور ردِ عمل کو جو بیان کے قابل ہیں، بیان کرتی ہے۔

یہ کتاب آگے کے لیے نوشتہ بہ ماند سیہ برسپید کی آئینہ دار ہے۔ جن حالات کا بیان ہوا ہے

ان کو نفسِ مضمون کے لحاظ سے سرمایہ بہار تو نہیں کہہ سکتے مگر حضرت مولانا کے بیان نے پژمردہ گلوں کو تازگی ضرور دے دی ہے۔

حضرت مولانا کی ایک سے ایک علمی کتابیں سامنے ہیں۔ "مسلمانوں کے زوال سے دنیا کا نقصان"، "تاریخ دعوت و عزیمت" کی عالمانہ سیر، "دریائے یرموک سے دریائے کابل تک"، "کاروانِ مدینہ"، "پرانے چراغ"، "جب ایمان کی بہار آئی"، "نقوشِ اقبال"، "کاروانِ زندگی"، اور بھی کئی ہیں لیکن اس ناچیز کو اس کا کہاں یارا کہ سب کا بیان کرے۔ سعدی نے اپنے ممدوح کے لیے کہا تھا۔

"نہ خنش غاتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں"۔ مگر یہ دعویٰ تو کچھ سعدی ہی کر سکتے تھے۔ ان کی گلستاں، بوستاں پڑھ کر فارسی جاننے والے کو ان سے مقابلہ کی تاب کہاں۔

اپنے احساسات کے بیان کو اس جلد پنجم تک محدود رکھوں گا۔ جب سعدی کا ذکر آیا تو پھر گلستاں کے باب پنجم کا ذکر بھی ضرور ذہن میں آئے گا۔ گو دونوں میں مناسبت صرف روانیِ بیان کی ہے نفسِ مضمون بالکل الگ ہے۔ مگر حضرت مولانا کی کتاب پڑھنا تو سعادت کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ کتاب تصوف سے تعلق نہیں رکھتی اس لیے کہیں بے خودی سے معاملہ نہیں اور سادگی کے ساتھ پرکاری ضرور ہے۔ کتاب کی ابتدا خلیجی جنگ اور صدام حسین کی مہم جوئی سے ہوئی ہے۔ پرانا مصرعہ ہے "چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"۔ اس عراق سے حرم کعبہ کے رخ پر حملہ ہوا جو بقول حضرت مولانا کے روحانیت کا مرکز رہا ہے اور بڑے مشائخ اور روحانی پیشواؤں کا مرکز ہے۔ اس واقعہ نے پہلے عالم اسلام کو حیرت میں مبتلا کیا اور پھر صدمے نے۔ حضرت مولانا اس پر خون کے آنسو روئے ہیں۔ اس پر احتجاج اور تنقید حضرت مولانا نے ایک دینی فریضہ اور شرعی احتساب سمجھا ساتھ ہی ساتھ انھوں نے مملکت عربیہ کے سربراہ کو ایک خط لکھا جس کو شاہ نے بہت غور اور توجہ سے پڑھا اور جواب دیا۔ یہ خطوط کلام الملوک، ملوک الکلام کے آئینہ دار ہیں۔ حضرت مولانا بھی تو مملکت دین و دل کے بادشاہ ہیں۔ انھوں نے شاہ کو کتاب و سنت کی ہدایت، اللہ کے ساتھ صدق و اخلاص کا معاملہ کرنے، فرد اور معاشرہ کی زندگی میں ہر ممکن اصلاح، دعوت اسلامی کی پیش رفت اور ترقی کی طرف توجہ دلائی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا ذکر کیا۔ بادشاہ نے جواب میں لکھا کہ ہم کو اس کا پورا احساس اور ادراک ہے کہ جب تک کتاب و سنت اور سیرتِ مبارکہ سے صحیح رہنمائی حاصل نہیں کی جائے گی اور خلفائے راشدین کی سیرت، تابعین عظام، مصلحین اور مجددینِ امت اور اسلامی تاریخ کے چیدہ اور برگزیدہ ہستیوں کے طرزِ عمل کو اسوہ نہیں بنایا جائے گا اس وقت تک یہ ملک حقیقی اور اسلامی زندگی سے آشنا نہیں ہو سکتا دونوں خطوط "تعمیر حیات" میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اور پڑھنے والوں کی جنتِ نگاہ کا باعث رہے ہیں۔

دو خطوط حضرت مولانا کے نرسمہا راؤ جی کے نام ہیں۔ پہلا ان کے وزیر اعظم مقرر ہونے پر مبارکباد اور نصیحتوں کا تھا۔ یہ نصیحتیں مشورہ کی شکل میں بیان ہوئی ہیں۔ اور مولانا نے واضح کر دیا ہے کہ انھوں نے مذہب، اخلاقیات اور تاریخ و سیاست کا ایک وسیع مطالعہ کرنے والے مصنف کی حیثیت سے یہ خط لکھا ہے۔ اور انھیں کوئی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، ذاتی، انفرادی اور اجتماعی غرض نہیں۔ یہ خط ایک طرح کا حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ ہے۔ اور اتنا مکمل اور جامع ہے کہ نہ صرف نرسمہا راؤ جی بلکہ ان کے بعد آنے والوں کے لیے بھی ایک ضابطہ اخلاق اور قانون ہوگا جب تک حالات بدل نہ جائیں۔ حضرت نے لکھا کہ ملک کی بقا اور ترقی کا راستہ سچے سیکولرزم، صحیح جمہوریت اور ہندو مسلم اتحاد کا راستہ ہے۔ ملک کے لیے یہ دو خطرے بڑے تشویشناک ہیں ظلم و تشدد کا رجحان، انسانی جان و مال اور عزت و آبرو کی بے قیمتی۔ بڑی بڑی سلطنتیں اس سے کم درجے کے ظلم سے خاتمہ اور زوال کا نشانہ بنیں۔ ایک ہی فرقہ سے مطالبات اور تنقید کا سلسلہ۔ اپنے ملی اور تہذیبی تشخصات سے دست برداری کی فرمائش۔ مری ہوئی تاریخ کو دوبارہ جگانا اور زندہ کرنا اس ملک کو ان نئے مسائل اور مشکلات سے دوچار کرے گی جن کا مقابلہ کرنے کی اس ملک کو نہ فرصت ہے اور نہ ضرورت۔ حضرت مولانا نے اس بات پر زور دیا کہ پولیس کی انسانی اور اخلاقی تربیت ہونی چاہیے۔ اس ایک جملہ میں جو چھپا ہے وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں۔

مولانا کا دوسرا خط نرسمہا راؤ جی کے خط کا جواب ہے۔ پورے احترام کے ساتھ وزیر اعظم نے درخواست کی تھی کہ رام جنم بھومی اور بابری مسجد کے مسئلہ میں رہنمائی اور تعاون فرمائیں۔ حضرت مولانا نے لکھا کہ انھوں نے اور مولانا نظام الدین صاحب نے پرسنل لا بورڈ سے ان ارکان کا انتخاب کیا جو اس موضوع پر وزیر اعظم سے گفتگو کریں گے۔ حضرت مولانا نے خود کو ان میں شامل نہیں کیا۔ مولانا نظام الدین صاحب نے بار بار فون کیا کہ آپ کا وفد میں شامل ہونا ضروری ہے۔ حضرت مولانا بھی شریک ہوگئے۔ وفد نے اپنا نقطۂ نظر سامنے رکھا۔ وزیر اعظم نے خاموشی سے سنا پھر حضرت مولانا نے وزیر اعظم کے بے حد اصرار پر ان سے دوسری مرتبہ ملاقات کی۔ لیکن مسئلہ حل کا تو رہا۔ پھر ہندوستان کی تاریخ کا ایک عظیم ترین

سانحہ بابری مسجد کی شکست وریخت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مرکزی حکومت کے فورس۔ P.A.C اور ARMY نے فاصلہ پر کھڑے ہوکر تماشائی کا کردار ادا کیا۔ اور کلیان سنگھ کی حکومت اس کارروائی کو قدر افزائی اور سرپرستی کے انداز سے دیکھتی رہی یہ داستان غم بڑی دراز ہے۔ خسرو نے داستان سناتے وقت اپنا حال لکھا تھا "قدرے گریدو ہم برسر افسانہ رود"۔

اللہ جانے حضرت مولانا پر کیا گذر رہی ہوگی بہر حال حضرت نے ایک تاریخی دستاویز تیار کردی "تجاہل عارفانہ" اور نہمت تراشیوں کا ذکر ایک گداز قلب کے لیے رنج کا باعث ضرور ہوا ہوگا۔ اسی کو خسرو کا گریہ سمجھ لیجئے۔ پھر ملک میں ظلم اور سفاکی کا جو ننگا ناچ ناچا گیا اس کا ذکر ہے۔ دو بے حد شاندار تقریریں قلم بند ہوئی ہیں ایک قیصر باغ کی بارہ دری میں اور دوسری رائے بریلی کے گورنمنٹ کالج کے وسیع میدان میں۔ یہ تقریریں انسانیت کی تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہیں گی حضرت مولانا نے جو درد دل کا بیان کیا اور لوگوں کو جگانے کے لیے جو آہ بلند کی انشاء اللہ وہ اثر سے خالی نہ ہوگی۔ اور انسانیت کا نشأۃ ثانیہ ضرور ہوگا۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ سب سے زیادہ ڈرنے والی چیز ظلم ہے۔ انسان خدا کی صنعت ہے اور خدا کی رحمت کا مظہر ہے۔ ظلم وسفاکی کا دورہ انسان کی تحقیر وتذلیل کا دورہ، صرف افراد ہی پر نہیں پورے پورے معاشرہ، پورے پورے ملک اور پورے پورے دور پر پڑا ہے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں مگر جو چیز خطرناک ہے کہ اس دور کو دور کرنے اور اس بیماری کا علاج کرنے والے لوگ نہ ہوں۔ کسی چیز کا بھی بیان ہو حضرت مولانا کا تاریخ آشنا ذہن ماضی میں ضرور چلا جاتا ہے۔ واقعات بیان کرتے ہیں۔ تاتاریوں کی یورش کا بیان اور تاریخی شہادتیں چاہے وہ گبن کے انحطاط وسقوط روما کا حوالہ دے رہے ہوں، چاہے اتچ جی ولز کا قول نقل کررہے ہوں۔ موجودہ حالات پر منطبق فرماتے ہیں اور نتائج نکالتے ہیں۔ یہ نتائج عام طور پر رات کے بعد صبح کے آنے کی بشارت ہوتی ہے یا سیاہ بادلوں کو چیر کر سورج کی کرنوں کے نکلنے کا ذکر ہوتا ہے۔ بڑے بڑے رنج کے موقع پر بھی حضرت مولانا پر قنوطیت طاری نہیں ہوتی۔ ان یقین ہے کہ تعلیم، پولیس اور پریس اگر تمین چیزیں درست ہوجائیں تو ملک میں ہیبت ناک واقعات نہیں ہوں گے۔ پھر سیکولرزم، جمہوریت اور عدم تشدد کا دور دورہ ہوگا۔ پھر انھوں نے رادھا کرشنن کا قول نقل کیا جو انھوں نے لندن میں سائنس دانوں اور فلسفیوں کے بیچ میں کہا تھا کہ ہاں پانی پر تم مچھلیوں کی طرح تیرنے لگے اور فضا میں چڑیوں کی طرح اڑنے لگے مگر زمین پر آدمیوں کی طرح تم کو چلنا نہیں آیا۔

رائے بریلی کی تقریر میں جنگ آزادی کا اور حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا ہے اور تقریر کا موضوع وہی رہا جو بارہ دری کی تقریر کا تھا۔ جس کرب میں حضرت مولانا مبتلا رہے ہیں۔ وہ ہر تقریر اور تحریر کے پس منظر میں ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک طرح کی دستاویز ہے۔ اس کے تمام مضامین کا احاطہ کرنا اس لکھنے والے کا مقصد نہیں۔ اس میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے اغراض ومقاصد، اس کے جلسے، اس نے جو کچھ حاصل کیا اس کی روداد، جے پور کا خطبۂ صدارت، حضرت مولانا نے جو سفر کیے ہیں ان کا تذکرہ، یہ ہلکے پھلکے سفرنامے۔ اپنے بیان اور اپنی کیفیات میں وہی لطف دیتے ہیں جو ایک غیر معمولی اچھی ادبی کتاب کو پڑھ کر ملتے ہیں۔

دوران سفر لوگوں سے ملاقاتیں۔ حضرت مولانا کے تاثرات، مختلف جگہوں پر حضرت کی تقریریں اور اس کے اثرات۔ ان لوگوں کا ذکر جو داغ مفارقت دے گئے۔ غرض کہ مختلف جواہر ہیں جو ایک سونے کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ ان جواہر میں ہیرے، یاقوت، نیلم، زمرد سب ہی ہیں۔ سب میں مشترک چیز ان کا حسن ہے۔ اور ان کا انمول ہونا ہے۔ ان کی چمک آنکھوں کو خیرہ نہیں کرتی بلکہ اس کے ذریعہ دل کو ٹھنڈک پہونچاتی ہے۔ وہ ٹھنڈک جس کی ایک مسلمان کے بے چین دل کو بہت ضرورت ہے۔ وہ مسلمان جو اپنی ماضی کی شان وشوکت کو یاد کرتا ہے اور سناٹے میں ہے کہ اب کیا ہو رہا ہے۔ کیوں یہ خیرامت خوار اور درماندہ ہے۔ اس کا مستقبل کیا ہوگا۔ ابھی میں نے حضرت مولانا کے سفر کا ایک سرسری ذکر کیا تھا اور اس کے مفصل بیان کو آخر کے لیے اٹھا رکھا تھا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حضرت مولانا کے روداد سفر میں وہ دل گرفتگی نہیں ہے جو بابری مسجد کی شہادت، فسادات، مسلم پرسنل لا، سے متعلق مسائل خاص طور پر تین طلاقوں کا مسئلہ جس کے متعلق حضرت مولانا نے شعر لکھا ہے۔

بود کہ یار نہ پرسد مراز خلق کریم
کہ از سوال ملولیم واز جواب خجل

کے بیان میں رہی ہے۔

حضرت مولانا کا سفرنامہ ابن بطوطہ یا ہوا سانگ کا سفرنامہ نہیں۔ یہ چیزے دگرہے۔ یہ سفر اہم اجتماعات میں شرکت اور بعض کی صدارت کے لیے اختیار کیا گیا۔ اور حضرت مولانا کا طویل ترین سفر ہے۔ اور تین براعظموں پر محیط ہے۔ یہ سفر استنبول، لندن، آکسفورڈ، شکاگو، نیویارک جنیوا ہوتا ہوا حجاز مقدس پر ختم ہوا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ رابطہ ادب اسلامی کا جلسہ

استنبول میں ہونا طے پایا تھا۔ حضرت مولانا اور مولانا محمد رابع صاحب ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کو بحیثیت صدر اور نائب صدر شریک ہونا تھا۔ پھر آکسفورڈ کے سنٹر آف اسلامک اسٹڈیز کے جلسہ میں لندن جانا تھا۔ پھر شکاگو میں مذاہب کی بین الاقوامی کانفرنس طے ہوئی تھی۔ یہ کانفرنس سو سال بعد ہوتی ہے۔ پچھلی مرتبہ سوامی وویکانند نے اس میں بڑے معرکۃ الآرا تقریر کی تھی۔ مولانا کا یہ سفر بلکہ سفرنامہ بے حد دلچسپ ہے۔ استنبول میں مولانا نے اپنی تقریر اقبال کے اشعار سے شروع کی تھی جو حضرت مولانا کا بھی پیام ہے۔

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا
جس سے دل دریا متاثر نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا

حضرت مولانا نے اپنی تقریر میں بڑی سبق آموز بات یہ کہی کہ اسلام اور قرآن کا یہ اعجاز اور عربی زبان کی آفاقیت اور عالمگیری کا یہ ثبوت ہے کہ رابطہ ادب اسلامی کا اجلاس جس کا مرکزی موضوع ادب عربی ہے استنبول میں ہو رہا ہے۔ جس کی زبان ترکی ہے اور صدارت کے فرائض وہ انجام دے رہا ہے جو ہندی الموولد ہے اور اس کی مادری زبان اردو ہے۔ مختلف تقریریں ہوئیں اور اس بات پر مولانا نے روشنی ڈالی کہ مرور زمانہ انقلابات وحوادث اور سازشوں سے کسی امت یا دین کی حیات نو سے مایوس اور ناامید نہیں ہونا چاہیے پھر سنٹر آف اسلامک اسٹڈیز کے کاموں کا معائنہ کیا۔ شکاگو میں حضرت مولانا کا انگریزی میں مضمون جس کا عنوان انسانیت پر پیغمبر اسلام اور ان کے لائے ہوئے دین اسلام کے احسانات اور اس کے عہد آفریں عطیات وانقلابات چھپوا کر تقسیم کردیا گیا تھا۔ حضرت مولانا کو انشراح قلب نہیں ہو رہا تھا اس لیے وہاں جاکر لوٹ آئے حضرت مولانا کا تبصرہ ہے کہ یہ حقیقتاً ایک مذہبی مشاعرہ تھا جس میں اپنے اپنے مذہب کی شان میں غزلیں پڑھی گئیں۔ پھر اور جلسے حضرت مولانا کی زیر صدارت ہوئے۔ حضرت مولانا ان جلسوں سے بہت مطمئن تھے۔

نیویارک میں حضرت مولانا نے اپنی تقریر میں وہاں کے مسلمانوں کو ایسی امتیازی اسلامی زندگی گزارنے کا مشورہ دیا جو وہاں کے باشندوں کو اسلام کے مطالعہ اس کی قدردانی اور اس کے امتیازی صفات کا اعتراف کرنے پر آمادہ کرے۔

حجاز کے قیام میں حضرت مولانا نے لکھا ہے کہ حاضری کے موقع پر کبھی زبان حال اقبال کے یہ شعر پڑھتی۔

بیا اے ہم نفس باھم بنالیم
من وتو کشتہ شان جمالیم

دو حرفے بر مراد دل بگویم
بپائے خواجہ چشماں را بمالیم

کتاب میں حضرت مولانا نے سمرقند اور بخارا کے سفر اور قیام کا ذکر کیا۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت اس لیے نہیں محسوس کررہا ہوں کہ جناب مولانا محمد رابع حسنی ندوی کا ایک مضمون "سمرقند وبخارا کی بازیافت" تعمیر حیات میں کئی قسطوں میں شائع ہو چکا ہے جو انتہائی پراز معلومات ہے۔

اب مضمون کے اختتام پر اقبال کا شعر نقل کروں گا۔

رنگ ہو یا خشت وسنگ چنگ ہو یا حرف وصوت
معجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
یہ کتاب خون جگر ہی سے لکھی گئی ہے کیونکہ
نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر
مضمون ختم ہوتا ہے
دامان نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو زداماں گلہ دارد

(بقیہ) انسان عصر حاضر اور ماضی میں

جاری ہیں اور ان خونی ڈراموں اور انسانیت کو اس بڑے پیمانہ پر غلام بنانے کے اقدامات متمدن طاقتوں کی کارستانی ہے۔ موجودہ دنیا آتش فشاں کے دھانے پر کھڑی ہے، اخلاقیات دیانتداری معاملات سب کے سب رخصت ہوگئے ہیں، اصول پر عمل کرنا قدامت پرستی ہے، ساری دنیا ایک نظام کی غلامی میں مبتلا ہو رہی ہے، ذرائع ابلاغ تک اب آزاد نہیں ہیں، زراعت اور صنعت، تعلیم بھی مغربی حکومتوں کی تابعداری میں ہیں، اس کے باوجود مغربی تہذیب کی تقدیس اور اس کی ثناخوانی ترقی پسندوں کا شعار ہے اس لیے کہ خیر وشر کی تمیز جاتی رہی ہے اور عزت نفس کا وجود نہیں ہے۔

اور ان کے نقوش وخطوط مٹا دیے ہیں
اور ان پر اپنا عقیدہ، اپنی زبان، اپنا کلچر تھوپنے کی کوشش جاری ہے، کھل کر مسیحیت کی ترویج کی جارہی ہے، ہر کس وناکس سمجھ سکتا ہے جو بھی عیسائی مشنریوں کی تعداد پر ایک طائرانہ نظر ڈالے گا اور پوپ کے دوروں کا جائزہ لے گا اور ان کے بیانات پر نظر کرے گا اور مشنری نظام کے بجٹ پر اور ان کے پھیلے ہوئے نظام پر غور کرے گا وہ اس کو تسلیم کرے گا کہ یہ مشنری نظام یہ ہولناک جنگیں اور یہ خونریزیاں سب امریکہ، روس، فرانس اور یورپی ممالک کی تائید سے

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کراچی

لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال

ظلم صرف یہ نہیں ہے کہ کسی کا مال چھین لیا جائے، اسے جسمانی تکلیف پہنچانے کے لئے اس پر ہاتھ اٹھایا جائے بلکہ عربی زبان میں "ظلم" کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ "کسی بھی چیز کو بے جگہ استعمال کرنا ظلم ہے"۔ کیونکہ کسی چیز کا بے محل استعمال یقیناً کسی نہ کسی کو تکلیف پہونچانے کا موجب ہوتا ہے۔ اس لئے ہر ایسا استعمال "ظلم" کی تعریف میں داخل ہے اور اگر اس سے کسی انسان کو تکلیف پہنچی ہے تو وہ شرعی اعتبار سے گناہ کبیرہ بھی ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں اسطرح کے بہت سے گناہ کبیرہ اس طرح رواج پا گئے ہیں کہ اب عام طور سے انکے گناہ ہونیکا احساس بھی باقی نہیں رہا۔

"ایذا رسانی" کی ان بے شمار صورتوں میں سے ایک انتہائی تکلیف دہ صورت لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال ہے۔ ابھی چند روز پہلے ایک انگریزی روزنامے میں ایک صاحب نے شکایت کی ہے کہ بعض شادی ہالوں میں رات تین بجے تک لاؤڈ اسپیکر پر گانے بجانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور آس پاس کے بسنے والے بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں اور ایک شادی ہال پر کیا موقف؟ ہر جگہ دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ جب کوئی شخص کہیں لاؤڈ اسپیکر نصب کرتا ہے تو اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس کی آواز کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھا جائے اور آس پاس کے ان ضعیفوں اور بیماروں پر رحم کیا جائے جو یہ آواز سننا نہیں چاہتے۔

گانے بجانے کا معاملہ تو الگ رہا، کہ اس کو بلند آواز سے پھیلانے میں دہری برائی ہے اگر کوئی خالص دینی اور مذہبی پروگرام ہو تو اس میں بھی لوگوں کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ زبردستی شریک کرنا شرعی اعتبار سے ہرگز جائز نہیں ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں سیاسی اور مذہبی پروگرام منعقد کرنے والے حضرات بھی شریعت کے اس اہم حکم کا بالکل خیال نہیں کرتے، سیاسی مذہبی جلسوں کے لاؤڈ اسپیکر بھی دور دور تک مار کرتے ہیں اور انکی موجودگی میں کوئی شخص اپنے گھر میں نہ آرام سے سو سکتا ہے، نہ یکسوئی کے ساتھ کوئی کام کر سکتا ہے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اذان کی آواز دور دور تک پہنچانا تو برحق ہے۔ لیکن مسجدوں میں جو وعظ اور تقریریں یا ذکر و تلاوت لاؤڈ اسپیکر پر ہوتی ہیں انکی آواز دور دور تک پہنچانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ مسجد میں بہت تھوڑے سے لوگ وعظ یا درس سننے کے لئے بیٹھے ہیں جن کو آواز پہنچانے کیلئے لاؤڈ اسپیکر کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے یا صرف اندرونی ہارن سے بآسانی کام چل سکتا ہے لیکن بیرونی لاؤڈ اسپیکر پوری قوت سے کھلا ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں یہ آواز محلے کے گھر گھر میں اسطرح پہنچتی ہے کہ کوئی شخص اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مجھے یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ لاہور گیا، جس مکان میں میرا قیام تھا اس کے تین طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے سے تین مسجدیں تھیں جمعہ کا دن تھا فجر کی نماز کے فوراً بعد سے تینوں مسجدوں کے لاؤڈ اسپیکر پوری قوت سے کھل گئے۔ اور پہلے درس شروع ہوا پھر بچوں نے تلاوت شروع کر دی، پھر نظمیں اور نعتیں پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہاں تک کہ فجر کے وقت سے جمعہ تک یہ "مذہبی پروگرام" اس طرح بے تکان جاری رہے کہ گھر میں کسی کو کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس گھر میں اس وقت کوئی بیمار نہیں تھا لیکن میں سوچ رہا تھا اگر خدانخواستہ کوئی بیمار شخص ہو تو اس کو سکون کے ساتھ لٹانے کا اس ماحول میں کوئی راستہ نہیں

بعض مسجدوں کے بارے میں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ وہاں خالی مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر ٹیپ چلا دیا جاتا ہے، مسجد میں سننے والا کوئی نہیں ہوتا لیکن پورے محلے کو یہ ٹیپ زبردستی سننا پڑتا ہے۔

دین کی صحیح فہم رکھنے والے اہل علم خواہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں۔ کبھی یہ کام نہیں کر سکتے لیکن ایسا ان مسجدوں میں ہوتا ہے جہاں کا انتظام علم دین سے ناواقف حضرات کے ہاتھ میں ہے، بسا اوقات یہ حضرات پوری نیک نیتی سے یہ کام کرتے ہیں۔ وہ اسے دین کی تبلیغ کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں اور اسے دین کی خدمت قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے معاشرے میں یہ اصول بھی بہت غلط مشہور ہو گیا ہے کہ نیت کی اچھائی سے کوئی غلط کام بھی جائز اور صحیح ہو جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی کام کے درست ہونے کیلئے صرف نیک نیتی ہی کافی نہیں اسکا طریقہ بھی درست ہونا ضروری ہے اور لاؤڈ اسپیکر کا ایسا ظالمانہ استعمال نہ صرف یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے بلکہ اس کے الٹے نتائج برآمد ہوتے ہیں جن حضرات کو اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی ہو ان کی خدمت میں دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ چند نکات ذیل میں پیش کرتا ہوں۔

۱ مشہور محدث حضرت عمر بن شبہ نے مدینہ منورہ کی تاریخ پر چار جلدوں میں بڑی مفصل کتاب لکھی ہے جس کا حوالہ بڑے بڑے علماء و محدثین ہمیشہ دیتے رہے ہیں اس کتاب میں انھوں نے ایک واقعہ اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک واعظ صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے بالکل سامنے بہت بلند آواز سے وعظ کہا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ زمانہ لاؤڈ اسپیکر کا نہیں تھا۔ لیکن ان کی آواز بہت بلند تھی اور اس سے حضرت عائشہؓ کی یکسوئی میں فرق آتا تھا۔ یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس لئے حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ یہ صاحب بلند آواز سے میرے گھر کے سامنے واعظ کہتے رہتے ہیں جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور مجھے کسی اور کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ حضرت عمرؓ نے ان صاحب کو پیغام بھیجکر انہیں وہاں وعظ کہنے سے منع کیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد واعظ صاحب نے دوبارہ وہی سلسلہ پھر شروع کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے خود جاکر ان صاحب کو پکڑا اور ان پر تعزیری سزا جاری کی۔ (اخبار المدینہ العمر بن شبہ ص ۱۵۔ ج ۱)

۲ بات صرف یہ نہیں تھی کہ حضرت عائشہؓ اپنی تکلیف کا ازالہ کرنا چاہتی تھیں۔ بلکہ دراصل وہ اسلامی معاشرت کے اس اصول کو واضح اور نافذ کرنا چاہتی تھیں کہ کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، نیز یہ بتانا چاہتی تھیں کہ دین کی دعوت و تبلیغ کا پُر وقار طریقہ کیا ہے؟ چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے مدینہ منورہ کے ایک واعظ کو وعظ و تبلیغ کے آداب تفصیل کے ساتھ بتائے اور ان آداب میں یہ بھی فرمایا کہ:

"اپنی آواز کو انہی لوگوں تک محدود رکھو جو تمھاری مجلس میں بیٹھے ہیں اور انھیں بھی اسی وقت تک دین کی باتیں سناؤ جب تک ان کے چہرے تمہاری طرف متوجہ ہوں، جب وہ چہرے پھیر لیں تو تم بھی رک جاؤ۔ اور ایسا کبھی نہ ہونا چاہیئے کہ لوگ آپس میں باتیں کر رہے ہوں اور تم ان کی بات کاٹ کر اپنی بات شروع کر دو، بلکہ ایسے موقع پر خاموش رہو۔ پھر جب وہ تم سے فرمائش کریں تو انہیں دین کی بات سناؤ۔"

(مجمع الزوائد ص ۱۹۱ ج ۱)

۳ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ بڑے اونچے درجے کے تابعین میں سے ہیں، علم، تفسیر و حدیث میں ان کا مقام مسلم ہے ان کا مقولہ ہے کہ:

"عالم کو چاہیئے کہ اس کی آواز اسکی اپنی مجلس سے آگے نہ بڑھے"

(ادب الاملا والاستملاء للسمعانی ص ۵۰)

۴ یہ سارے آداب درحقیقت خود حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے تعلیم فرمائے ہیں مشہور واقعہ ہے کہ آپ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ تہجد کی نماز میں بلند آواز سے تلاوت کر رہے تھے آپ نے ان سے پوچھا کہ وہ بلند آواز سے کیوں تلاوت کرتے ہیں؟

حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ "میں سوتے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنی آواز کو تھوڑا پست کر دو"۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۷)

اسکے علاوہ حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کیلئے بیدار ہوتے تو اپنے بستر سے آہستگی کے ساتھ اٹھتے تھے (تاکہ سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو)

۵ انھیں احادیث و آثار کی روشنی میں تمام فقہاء امتؒ اس بات پر متفق ہیں کہ تہجد کی نماز میں اتنی بلند آواز کی تلاوت کرنا جس سے کسی کی نیند خراب ہو ہرگز جائز نہیں۔ فقہاءؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت پر بلند آواز سے تلاوت کرے جبکہ لوگ سو رہے ہوں تو تلاوت کرنے والا گناہ گار ہے۔

(خلاصۃ الفتاوی ص ۱۰۳ ج ۱ و شامی ص ۳۰۴ ج ۱ و ص ۴۴۴ ج ۱)

ایک مرتبہ ایک صاحب نے یہ سوال ایک استفتاء کی صورت میں مرتب کیا تھا کہ بعض مساجد میں شبینے اور تراویح کی قرأت لاؤڈ اسپیکر پر اتنی بلند آواز سے کی جاتی ہے کہ اس سے محلے کی خواتین کے لئے گھروں میں نماز پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے، نیز جن مریض اور کمزور لوگوں کو علاجاً جلدی سونا ضروری ہو وہ نہیں سو سکتے۔ اس کے علاوہ باہر کے لوگ قرآن کریم کی تلاوت ادب سے سننے پر قادر نہیں ہوتے اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تلاوت کے دوران کوئی سجدے کی آیت آجاتی ہے۔ سننے والوں پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور یا تو ان کو پتہ ہی نہیں چلتا یا وہ وضو سے نہیں ہوتے اس لئے سجدہ نہیں کر سکتے اور بعد میں بھول ہو جاتی ہے، کیا ان حالات میں تراویح کے دوران بیرونی لاؤڈ اسپیکر زور سے کھولنا شرعاً جائز ہے۔

یہ سوال مختلف علماء کے پاس بھیجا گیا اور سب نے متفقہ جواب یہی دیا ہے کہ ان حالات میں تراویح اور شبینے کی تلاوت میں بیرونی لاؤڈ اسپیکر بلا ضرورت زور سے کھولنا شرعاً جائز نہیں ہے یہ فتویٰ ماہنامہ البلاغ محرم ۱۴۰۷ھ کی اشاعت میں شائع ہوا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے اس پر تمام مکاتب فکر کے علماء متفق ہیں، مسجدوں اور دینی اجتماعات میں لاؤڈ اسپیکر کے بیجا استعمال سے دین کی انتہائی غلط نمائندگی ہوتی ہے بعض مرتبہ تو یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ دین اور اہل دین ہی سے بیزار اور متنفر ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں (باقی ص ۱۷ پر)

سکریٹری رپورٹ

(مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)

رابطۂ ادب اسلامی

۱۰، ۱۱ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۲، ۲۳ اپریل سنہ ۱۹۹۴ء

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس (یوپی)

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ و السلام علی خاتم المرسلین سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أما بعد!

ہم کو مسرت ہے کہ آج ہم وہ مذاکرۂ علمی منعقد کر رہے ہیں، جس کے انعقاد کا اعلان تقریباً سال بھر پہلے کیا گیا تھا پھر بعض دشواریوں کی بنا پر مؤخر ہوگیا تھا، جامعہ سلفیہ میں اس مذاکرۂ علمی کا انعقاد جامعہ سلفیہ اور ہمارے رابطۂ ادب اسلامی دونوں کے لیے ایک ادائیگی فرض اور ایک اچھے مقصد کی تکمیل ہے، مذاکرہ کا موضوع پہلے خالص ادب سے تعلق رکھتا تھا، لیکن مؤخر ہونے کے بعد جب نئی تاریخیں طے ہونے لگیں تو صدر محترم رابطہ ادب اسلامی نے موضوع کے تعین میں تبدیلی کا مشورہ عنایت فرمایا، یہ نیا موضوع زیادہ بابرکت اور خوشگوار اور دینی تعلق کا زیادہ حامل ہے، یہ حدیث نبوی شریف کے ادبی پہلوؤں کے مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے، جامعہ سلفیہ کے ذمہ داروں نے اسی مشورہ کو پسند کیا، چنانچہ موضوع کی یہ تبدیلی عمل میں آئی۔

حضرات! رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم المرسلین تھے، انسانوں کی ہدایت اور راہ حق کی نشاندہی اور وضاحت کے لیے رب العالمین کی طرف سے بھیجے گئے تھے، ان کی زندگی کا کام دین حق کا پہونچانا اور شریعت اسلامی کی وضاحت تھی۔ لیکن وہ رسول ہونے کے ساتھ ساتھ انسان تھے، انسانی احساسات، تاثرات، معاملات سے ان کو بھی اسی طرح واسطہ پڑتا تھا، جس طرح کسی انسان کو پڑتا ہے، دعوت دین کی راہ میں ان کو صعوبتیں پیش آتی تھیں، وہ ان صعوبتوں کو انسان ہونے کے ناطے محسوس کرتے تھے، اہل تعلق سے محبت، حوادث پر رنج، خوشی کے موقع پر مسرت آپؐ کو بھی انسانوں کی طرح ہوتی تھی، جہاں ان احساسات وتاثرات کے اظہار کا آپؐ موقع محسوس کرتے۔ ان کا اظہار فرماتے تھے، اسی طرح آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کی وفات پر اپنے تاثر ورنج کا اظہار فرمایا جس میں ایک طرف آپ کی عبدیت اور احتیاط کا پورا اظہار ہے، دوسری طرف انسانی تأثر کے سچے اظہار کے لیے بہت فصیح اور موثر طرز ادا ہے، فرمایا: "القلب یحزن، والعین تدمع ولا نقول إلا ما یرضی الرب، وإنا علی فراقك یا ابراهیم لمحزونون" فرمایا: دل رنجیدہ، آنکھ میں آنسو آرہے ہیں لیکن ہم وہی کہتے ہیں جس سے رب راضی ہو، ہم تمہاری جدائی سے اے ابراہیم رنجیدہ ہیں۔ ذرا حقیقت کی عکاسی دیکھئے اور طرز ادا کی احتیاط دیکھئے، کیا یہ ادب نہیں؟

آپ نے ایک موقع پر خواتین کی نزاکت کی کیفیت کا لحاظ اپنی عبارت میں اس طرح فرمایا کہ کہا: "رفقا بالقوارير"، اس میں آپؐ نے خواتین کو آبگینوں سے تشبیہ دی، ایک موقع پر آپسی اختلاف کی گنجائش نہ بتاتے ہوئے فرمایا: "لا تنطح فیه عنزان" یعنی اس معاملہ میں دو بکریاں آپس میں سینگ نہ لڑائیں گی، ذرا بکریوں کے یہ انداز سامنے رکھئے کہ دو بکریاں جب اکٹھا ہو جاتی ہیں، اپنے اگلے پیروں کو اٹھا کر سینگ لڑاتی ہیں، آپ نے اس انداز کو دو شخصوں کی آپسی کشمکش کے اظہار کے لیے انتخاب کیا، اسی طرح آپؐ کا یہ فرمانا کہ "هذا یوم له ما بعده" یعنی آج کا دن ایسا ہے کہ اس کا سلسلہ بعد میں چلے گا۔ ذرا اس طرز ادا کو دیکھئے کتنے اچھے طریقہ سے کسی قضیہ کے کسی نہ کسی شکل میں جاری رہنے کا امکان بتایا گیا ہے۔

یہ تو جملے تھے، آپ کے اس خطبہ کو دیکھئے جو آپ نے ہوازن سے واپسی پر مال غنیمت کی تقسیم میں بعض غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے دیا، اور آپ کی مختلف دعاؤں کو دیکھئے، کیسی باریکی اور نفسیاتی کیفیت کا لحاظ اور تاثرات کی ادائیگی ملتی ہے، اس میں اپنی عبدیت اور پروردگار کی عظمت کا پورا احساس اجاگر ہے۔

مؤثر اور فصیح طرز ادا اور دل کو متحرک کر دینے والی تعبیر، دعوت دین کے کام کے لیے ایک ضروری اور موثر ذریعہ تھا، امت کی رہنمائی اور تعلیم وتزکیہ کے لیے بھی اس کی ضرورت تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی صلاحیت آپؐ کو بدرجۂ اکمل واتم عطا فرمائی گئی تھی، بہرحال آپ کی فصاحت اور حسن ادا جو آپ کی گفتگو، خطابت، نصیحت اور اپنے رب کے سامنے اظہار عاجزی، حمد ومناجات میں کھلے طریقہ سے ظاہر ہوتی ہے، آپ کی فصاحتِ کلام وحسنِ بیان پر سب کو اتفاق ہے، عربوں میں صحت کلام وفصاحت کے لیے جن اسباب وذرائع کی ضرورت ہوتی تھی وہ بھی آپ کو بدرجۂ اتم حاصل تھے، آپ فصیح ترین قبیلہ قریش میں پیدا ہوئے، پھر قبیلہ بنی سعد میں رضاعت کا زمانہ گذرا، یہ قبیلہ

فصیح قبائل میں شمار کیا گیا ہے، پھر پاکیزہ زندگی اور پاکیزہ خیالات واحساسات آپ کا طرز رہا، پھر نبوت ملی تو بلاغت واعجاز بیان کا معیاری کلام قرآن مجید آپ پر اتارا جانے لگا، وہ آپ کا اصل معلم ومربی تھا، آپ کا قلب وذہن اور آپ کا اسلوب بیان سب نے اس آسمانی معلم سے کسب فیض کیا، آج ہمارا مذاکرۂ علمی آپ کے کلام کے انہی پہلوؤں پر منعقد ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے اور ہم کو مفید اور بامقصد بات پیش کرنے کی توفیق دے۔

حضرات! ادب اسلامی کے مختلف موضوعات پر رابطہ ادب اسلامی کی طرف سے مذاکرات علمی منعقد کرنے کا سلسلہ رابطہ کے قیام کے وقت سے جاری ہے، رابطہ کا قیام باقاعدہ عالمی پیمانے پر ۱۹۸۶ء کے آغاز میں ہوا تھا، اس کے دو مرکزی دفتر بنائے گئے تھے، دونوں دفتروں نے ادب اور اسلام کے مابین جو تعلق ہے، اس کے دائرے میں آنے والے ادب کی وضاحت اور اضافہ کے لیے کام کرنے کو اپنا مقصد بنایا، ان میں سے ایک دفتر عربی خطہ کے لیے، اور دوسرا برصغیر کے لیے لکھا گیا، ہمارے برصغیر کے دفتر نے اپنے کام کے سلسلہ میں تحریروں، ملاقاتوں اور علمی وادبی مجلسوں کے ذریعہ کام کرنا شروع کیا، اور ہمیں خوشی ہے کہ آج برصغیر کے مرکزی دفتر کے زیر اہتمام دسواں مذاکرۂ علمی منعقد ہو رہا ہے۔

رابطہ کے تمام مذاکرات علمی ملک کے کسی بڑے علمی وتعلیمی ادارے کے تعاون وضیافت سے منعقد ہوتے رہے ہیں، اس طرح ملک کے مختلف حصوں میں ان کا انعقاد ہوا، اور نئے نئے موضوعات ان کے لیے انتخاب کیے گئے، چنانچہ جے پور میں اسلام اور مغربی ادبی تحریکات پر، حیدرآباد میں تحریک آزادی کے اسلامی ادب پر، اورنگ آباد میں نعت نبوی کے ادبی پہلو پر، لکھنؤ میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک نے جو ادب پیدا کیا، اس پر، اور بھوپال میں دعوت اسلامی کے ادب پر، رائے بریلی میں حمد ومناجات ودعا کے ادبی پہلو پر، چاٹگام بنگلہ دیش میں مشرقی زبانوں میں اسلامی ادبی اثرات پر اور اسی طرح دیگر متعدد شہروں میں دیگر موضوعات پر سیمینار منعقد ہوئے، آج ہم خدا کے فضل وکرم سے حدیث نبوی شریف کے ادبی پہلوؤں پر جامعہ سلفیہ کے تعاون وضیافت سے مذاکرۂ علمی کا آغاز کر رہے ہیں۔

رابطہ ادب اسلامی نے مذاکرات علمی کے علاوہ ادب اسلامی کی وضاحت کے لیے دیگر طریقوں سے بھی کام انجام دیے، رابطے کے برصغیر کے دفتر نے ایک ماہانہ عربی خبرنامہ بھی شائع کیا، جس نے چار سال کی مدت اب پوری کر لی ہے، خبرنامہ دراصل ایک مختصر مجلہ تھا، اس میں ادب اسلامی کے مختلف موضوعات پر مضامین، تبصرے اور علمی مفید نوٹس شائع ہوتے رہے، اب یہ طے ہوا ہے کہ ایک وقیع عربی سہ ماہی مجلہ عربی دفتر سے اور دوسرا اردو سہ ماہی برصغیر کے دفتر سے نکلا کرے، عربی مجلہ کا پہلا شمارہ الحمد للہ ظہور پذیر ہو چکا ہے، اردو مجلہ کا پہلا شمارہ تیار ہے، وہ ایک ماہ کے اندر انشاء اللہ ظہور پذیر ہو جائے گا، اس کے علاوہ رابطہ کے دفتر نے متعدد مفید موضوعات پر کتابیں اور رسالے بھی شائع کیے، اور ان کی اشاعت دونوں دفتروں سے کی گئی، اور دیگر رسائل ومجلات ومقالات بھی شائع کیے گئے۔

صحافتی کام کے علاوہ ادب اسلامی کے فکر کی اشاعت کے لیے شہروں میں وفود بھی بھیجے، اس سلسلہ میں تقریباً دو سال قبل ایک وفد یہاں بنارس میں بھی آیا تھا، اور جامعہ سلفیہ میں ایک اجتماع بھی منعقد ہوا تھا، اس موقع پر ہمارے برصغیر کے دفتر کے ایک فاضل رکن مولانا عبدالنور ندوی مرحوم بھی شریک وفد تھے، مرحوم کا ادب کے سلسلہ کا مطالعہ بڑا گہرا اور وسیع تھا، اور ان سے رابطہ ادب اسلامی کے کام کو بڑی مدد ملتی تھی، اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ وہ ایک طویل علالت کے بعد اپنے رب سے جا ملے، ہمارے دفتر کو ان کے انتقال سے بڑا صدمہ پہونچا، مولانا عبدالنور صاحب کا تعلق جامعہ سلفیہ سے بھی رہا ہے، ان کی خواہش بھی تھی کہ یہاں مذاکرۂ علمی منعقد ہو۔ آج وہ ہم میں ہوتے تو بڑی مسرت محسوس کرتے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو ان کی کوششوں کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

حضرات! ہم جامعہ سلفیہ کے ذمہ داروں کے بہت شکر گذار ہیں کہ انھوں نے اس اہم مذاکرۂ علمی کے منعقد کرنے میں ہمارے ساتھ تعاون کیا، اور جامعہ میں اس کے انعقاد کے لیے ضروری انتظامات کیے، اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

(بقیہ)

بیت المقدس کی اسلامی تاریخ

کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بیت المقدس کی مسجد تعمیر کی بعض دوسرے علما کی رائے کے مطابق یہ عظیم کام حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام نے انجام دیا۔ (باقی آئندہ)

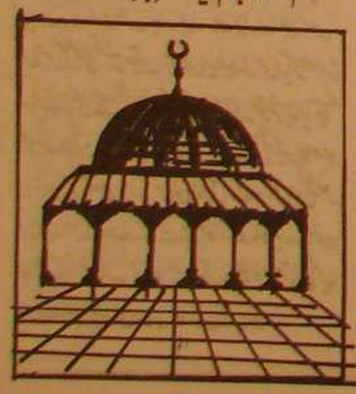

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا جلسہ

تین طلاق

منعقدہ ۲۵ مئی ۱۹۹۴ء

سپریم کورٹ سے ندوی کرنے کا فیصلہ بورڈ کے جلسے میں متفقہ طور پر منظور

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ الہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ کے مسٹر جسٹس ہری ناتھ تلہری پر مشتمل ایک رکنی ڈویژن بنچ کے اس فیصلے کا سپریم کورٹ میں مناسب طور پر چیلنج کیا جائے گا۔ کہ ایک نشست میں تین طلاق کا طریقہ غیر شرعی ہے اسلئے بورڈ نے تمام عوام سے اپیل کی ہے کہ اس معاملے میں اپنے کو کسی احتجاجی سرگرمی میں ملوث نہ کریں بورڈ نے ملک کے شہریوں خصوصاً ذرائع ابلاغ سے بھی اپیل کی ہے کہ اس تنازعے کو آگے نہ بڑھایا جائے۔

بورڈ کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی زیر صدارت مسلم پرسنل لا بورڈ کی ورکنگ کمیٹی (مجلس عاملہ) نے کل یہاں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے کمیٹی روم میں صبح سے دیر رات تک جاری رہنے والے اجلاس میں جس کی کئی نشستیں ہوئیں یہ فیصلہ بھی کیا کہ اصلاح معاشرہ کی ملک گیر تحریک کو تیز اور موثر بنایا جائے تاکہ مسلمانوں میں تعلیم اور خاص کر شرعی تعلیم عام ہو وہ دین کو سمجھیں اور اس کو زندگی کے ہر عمل میں شامل کریں۔ اس مقصد کے لئے طے ہوا کہ دو ماہ بعد یعنی جون کے آخر تک ندوہ میں ایک مثالی اجتماع کیا جائے اور پھر ایسے ہی سارے ملک میں ہو۔

ورکنگ کمیٹی نے حکومت ہند کی توجہ دشو ہندو پریشد کی دھرم سنسد کی طرف سے ان اعلانات کی طرف مبذول کراتے ہوئے جو اجودھیا میں متنازعہ علاقے پر زبردستی قبضہ کرنے اور متھرا اور وارانسی کی بالترتیب عیدگاہ والی مسجد اور گیان واپی کی مسجد کے بارے میں ہیں، مطالبہ کیا کہ ایسے بیانات، فیصلوں اور اعلانات پر روک لگائی جائے، اجلاس نے حیرت ظاہر کی کہ حکومت ایسے بیانات کا نوٹس کیوں نہیں لیتی جو ملک کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو متاثر کر رہے ہیں اور امن کی فضا کو مسموم کر رہے ہیں، یہ بھی کہا گیا کہ ویسے تو بات بات پر لوگوں کے خلاف ٹاڈا کی کارروائی کردی جاتی ہے لیکن فرقہ پرست طاقتوں کو کیوں بخش دیا جاتا ہے، ورکنگ کمیٹی نے ایک قرارداد میں کہا کہ وہ بابری مسجد کی بازیابی کی تحریک کو ملک کے آئین کے دائرے میں رکھ کر پرامن طور پر جاری رکھے گی اور عدالت کے حکم کو مانے گی۔ اجلاس نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اشتعال انگیزی کے خلاف ایکشن لیا جائے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی ورکنگ کمیٹی کے اس اجلاس کا جس میں جسٹس تلہری کے فیصلے کے معاملے نے اس کے باوجود کہ سب سے زیادہ اہمیت اختیار کر رکھی تھی وہ ایجنڈے کا حصہ نہیں تھا۔ کیونکہ جب اجلاس طلب کئے جانے کا ایجنڈا جاری ہوا تھا اس وقت تک یہ فیصلہ نہیں ہوا تھا سب سے خاص پہلو یہ رہا کہ مختلف مکتبہ فکر اور مسلک سے بلند ہوکر اتفاق رائے سے فیصلہ ہوا کہ جسٹس تلہری کے حالیہ فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ جایا جائے۔

اور اس اتفاق رائے کے بننے میں مولانا علی میاں کی شخصیت اور ان کے انداز فکر نے کلیدی رول ادا کیا۔ مولانا علی میاں نے اجلاس سے قبل اپنے ابتدائی کلمات میں اس ضرورت پر زور دیا کہ آج مسلمان جس آزمائشی دور سے گذر رہا ہے اس کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنے ذاتی نظریات سے اوپر اٹھ کر فیصلے کرنا ہوں گے۔ اور ملت کے لئے ہمارا فکری اتحاد ضروری ہے، انھوں نے ہر حال میں مایوس نہ ہونے اور عزم کے ساتھ مقابلہ کرنے پر زور دیا۔

مولانا علی میاں نے کہا کہ آج مسلمان جس آزمائشی دور میں ہے، اس سے پہلے بھی ایسے دور سے گزرا ہے انھوں نے مسلم قوم پر گزرنے والے تین آزمائشی دور کا ذکر کیا۔ پہلا جب تاتاریوں کے ٹڈی دل لشکر کے حملے ہوئے۔

دوسرا آزمائشی دور صلیبی جنگوں کا تھا۔

لیکن اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک صلاح الدین ایوبی پیدا ہوگیا۔ اس کے دبدبے نے مسیحی طاقت کے چھکے چھڑا دیئے اور تیسرا دور مغربیت کا ہے جس میں مغربی علوم وفنون نے اسلامی فکر کو چیلنج کیا ہے اور یہ دور جاری ہے، ابھی جو طلاق کے بارے میں فیصلہ آیا ہے وہ اسی آزمائشی دور کی ایک کڑی ہے، جس کا مقابلہ ذاتی نظریات سے اوپر اٹھ کر اور فکری اتحاد سے کرنا ہوگا۔ اختلافات ہر جگہ ہوتے ہیں لیکن ان کو ختم کرنے کے لئے بند کمرے میں

بھی گفتگو کی جاسکتی ہے۔

اجلاس نے عدالت عالیہ کا پورا احترام کرتے ہوئے مسٹر جسٹس تلہری کے فیصلے سے اتفاق کرنے سے خود کو قاصر پایا کیونکہ جیسا کہ بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین صاحب نے بورڈ کے سکریٹری مسٹر عبدالرحیم قریشی ایڈوکیٹ بورڈ کے قانونی مشیر مسٹر عبدالمنان ایڈوکیٹ (ہائی کورٹ) مسٹر ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ (ہائی کورٹ) مسٹر امین الحسن رضوی، مسٹر کمال فاروقی، نے ایک پریس کانفرنس میں بورڈ کی قرارداد جاری کرتے ہوئے اس کی روشنی میں کہا رحمت اللہ بنام سرکار اور خاتون بنام سرکار کے مقدمے میں طلاق کے معاملے پر کوئی تنازعہ ہی نہیں تھا۔ یہ سوال تو یوپی لینڈ سیلنگس ایکٹ کے تحت کارروائی کے درمیان ضمنی طور پر آگیا تھا اور فاضل جج نے طلاق کے قانونی طور پر جائز ہونے کے سوال پر فیصلہ دیدیا جس سے فریقین کی حیثیت متاثر ہوگئی بورڈ نے قرارداد میں محسوس کیا کہ فاضل جج کو طلاق کے قانون اور آئینی طور پر جائز ہونے کے سوال پر اپنی رائے دینے سے احتراز کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ اس معاملے پر نہ تو شوہر نے کوئی تنازعہ کھڑا کیا تھا نہ مطلقہ عورت نے، ان حالات میں بورڈ محسوس کرتا ہے کہ فیصلہ قطعاً غلط ہے۔

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان گذشتہ کئی صدیوں سے شریعت کے قوانین پر عمل کر رہے ہیں، شریعت قرآن اور سنت پر مبنی ہے پریوی کونسل اور بعد میں سپریم کورٹ کی مستقل طور پر پالیسی رہی ہے کہ مذہبی قوانین کی تشریح کرنے سے باز رہا جائے۔ فاضل جج نے عدلیہ کے از خود نافذ کردہ پابندیوں اور حدوں سے تجاوز کیا ہے اور تین طلاق سے متعلق مسلم قانون کی تشریح کرنے میں خود کو ملوث کیا ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کی رائے میں عدلیہ کو چاہیئے کہ وہ مذہبی قوانین میں عدم مداخلت کے اصولوں کا احترام کرے عدلیہ کے اختیار پر خود نافذ کردہ پابندیاں یا حدیں پبلک پالیسی کے بے داغ اصول پر مبنی ہے، دستور کے آرٹیکل ۲۵ اور ۲۶ میں ہر مذہبی اکائی کو اس بنیادی حق کی ضمانت دی گئی ہے، کہ مذہبی معاملوں میں وہ اپنے معاملات کا انتظام وانصرام کرے، ہندوستانی مسلمانوں نے اپنی نجی زندگی کے معاملات کے لئے شریعت قانون کو قبول کیا ہے اور اس لئے یہ ان کا مذہبی معاملہ ہے چنانچہ اس میں حکومت کی مداخلت نہیں ہونا چاہیئے عدلیہ حکومت کا حصہ ہوتا ہے اس لئے وہ بھی نہ صرف اس کی پابند ہے کہ دستور ہند کے آرٹیکل ۲۵ اور ۲۶ کا احترام کرے بلکہ اس کی بھی پابند ہے کہ اس کو بجالائے۔

قرارداد میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بات کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے کہ مسلمانوں کو اپنے مذہبی معاملات کے انضمام وانصرام کا جو حق دیا گیا ہے وہ دستور کے بنیادی حقوق میں درج دوسرے آرٹیکلوں سے آزاد ہے، مسلمانوں کے لئے "نکاح" اور "طلاق" مذہبی کام ہیں جو شریعت کے تحت محکوم ہیں اور ایک محکوم مسلمان کو اس حق کی ضمانت دی گئی ہے کہ شریعت کے مطابق نکاح اور طلاق کے کام کرے۔ مسٹر تلہری کے فیصلے میں جو حقائق آئے ہیں ان کے بموجب مسماۃ خاتون کی ۱۹۶۹ء میں طلاق ہوئی تھی اور اس نے طلاق مان لی تھی۔ بہر حال ۱۹۹۴ء میں فیصلہ ہوا اس میں کہا گیا ہے کہ اس کا طلاق جائز نہیں ہے اس فیصلے کا کل نتیجہ یہ ہے مسماۃ خاتون اپنی قابل زراعت آراضی سے محروم کردی گئی جس کی بصورت دیگر حقدار ہوتی۔ اس لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ محسوس کرتی ہے کہ اس فیصلے کی منشا عورتوں کی مخالفت ہے بورڈ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ یوپی امپوزنگ آف لینڈ ہولڈنگ ایکٹ اس حد تک عورت مخالف ہے جہاں پر وہ شادی شدہ عورت کے زرعی آراضی پر علاحدہ حق کو تسلیم نہیں کرتا۔ شریعت کے تحت شادی شدہ عورت کو اختیار ہے کہ اپنے حق سے جائداد حاصل کرے یا فروخت کرے، مقدمے کے حقائق کو دیکھتے ہوئے مجلس عاملہ نے اس بات کو نوٹ کیا ہے کہ یوپی لینڈ سیلنگ قانون بیوی اور شوہر کی جائداد کو ملا دیتا ہے۔ جبکہ قانون شریعت ایک شادی شدہ عورت کے اس حق کو قطعاً تسلیم کرتا ہے کہ وہ جائداد کو جس حصول کا ذریعہ کچھ بھی ہو حاصل کرے۔ رکھے اور نکال دے، اس معاملے میں شریعت عورتوں کے حق میں ہے اور ان کو وہ حق دے رہی ہے جو سیلنگ کا قانون اس سے لے رہا ہے۔

بورڈ نے جسٹس تلہری کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں جانے کی تیاری کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کی ہے جس میں بورڈ کے سکریٹری مسٹر عبدالرحیم قریشی (کنوینر) مسٹر عبدالمنان، مسٹر ظفریاب جیلانی، مسٹر یوسف مچھالا، مسٹر کمال فاروقی اور مسٹر امین الحسن رضوی شامل ہیں اس کمیٹی کا پہلا جلسہ ۳۰ر مئی کو دہلی میں ہوگا۔

(بقیہ)

سوال وجواب

س: ذبح کرتے وقت جانور کا رخ قبلہ کی طرف کرنا کیسا ہے؟

ج: مسنون ہے۔ بغیر عذر قبلہ کی جانب مذبوحہ کرنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

محمد طارق ندوی

تعمیر حیات

اپنی نئی نسلوں کو ملک کے حالات سے باخبر رکھنے کیلئے تعمیر حیات کے مطالعہ کی ترغیب دیجئے

بیت المقدس کی اسلامی تاریخ اور قرآن و حدیث کی نظر میں اس کا مقام و مرتبہ

ترجمہ: محمد ابراہیم ندوی

اس حقیقت سے ہر ایک آشنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرزمین بیت المقدس کو عظیم الشان قدر و منزلت سے سرفراز فرمایا ہے اور سرزمین مکہ و مدینہ کے بعد تمام روئے زمین پر اس کو فضیلت عطا فرمائی ہے اور اس کو یہ قدر و منزلت و فضیلت اس میں واقع مسجد (مسجد اقصیٰ) کے تقدس کی وجہ سے حاصل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سرچشمۂ برکت بنایا اور اس کے چاروں طرف خصوصی برکتیں رکھی ہیں۔

اسراء و معراج کی سرزمین! سورہ اسراء کی اولین آیت میں ارشاد ربانی ہے (وہ (ذات) پاک جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک جگمگے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے) چنانچہ مسجد اقصیٰ بذات خود بابرکت ہے نیز اس کے اطراف سارا علاقہ بابرکت ہے جسے ہم آج فلسطین کہتے ہیں

اسی طرح سورہ سبا کی اٹھارہویں آیت میں فرمان باری تعالیٰ ہے (اور ہم نے ان کے اور شام کی ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی (ایک دوسرے کے متصل) دیہات بنائے تھے جو سامنے نظر آتے تھے اور ان میں آمد و رفت کا اندازہ مقرر کر دیا تھا کہ رات دن بے خوف و خطر چلتے رہو) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "بستیاں جس میں ہم نے برکت رکھی (القریٰ التی بارکنا فیہا) سے مراد بیت المقدس ہے۔

سورہ انبیاء کی اکہترویں آیت میں اللہ کا ارشاد ہے ("اور ہم نے انکو (ابراہیم علیہ السلام) اور لوط علیہ السلام کو اس سرزمین کی طرف بچا نکالا جس میں ہم نے اہل علم کے لئے برکت رکھی ہے) تفسیر ابن کثیر میں ابی ابن کعب سے روایت کرتے ہوئے الارض التی بارکنا فیہا کے سلسلے میں مذکور ہے کہ وہ ملک شام ہے، اور زمین میں جو کمی واقع ہوئی شام میں اس کا اضافہ ہو گیا اور جو کمی شام میں ہوئی فلسطین میں اضافہ کر دیا گیا اور مشہور تھا کہ اس سے مراد سرزمین حشر و نشر ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورہ انبیاء آیت نمبر اکیاسی میں فرمایا اور ہم نے تیز ہوا سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان کر دی تھی جو ان کے حکم سے اس ملک میں چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دی تھی (یعنی شام) اور ہم ہر چیز سے خبردار ہیں) تفسیر ابن کثیر کے مطابق (الارض التی بارکنا فیہا سے مراد ملک شام ہے۔

سورہ مائدہ کی اکیسویں آیت میں فرمان ایزدی ہے۔ (تو بھائیو تم ارض مقدس (یعنی ملک شام) میں جسے خدا نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے چل داخل ہو اور (دیکھنا مقابلے کیوقت) پیٹھ نہ پھیر دینا ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے)

قرآن کا فرمان ہے (انجیر کی قسم اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر کی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا (الزیتون) سے مراد طور زیتا ہے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زیتون سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر بیت المقدس واقع ہے، ابوزرعہ شیبانی سے منقول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو طور زیتا سے اٹھایا گیا۔

قبلۂ اول

مسجد اقصیٰ کو قبلۂ اول قرار دیا گیا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت المقدس کی سمت سولہ یا سترہ مہینہ نماز ادا کی اس کے بعد کعبہ کی طرف ہمارا رخ موڑ دیا گیا، صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کیا کہ اللہ کے رسولؐ اس سرزمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر ہوئی آپ نے فرمایا مسجد حرام، میں نے عرض کیا پھر کون سی آپ نے فرمایا مسجد اقصیٰ، میں نے عرض کیا دونوں کے درمیان زمنی مسافت کیا ہے آپ نے فرمایا چالیس سال اور جہاں کہیں نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لو وہی مسجد ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے بیت المقدس کی تعمیر کا کام کس نے انجام دیا چنانچہ بعض علماء کی رائے ہے

(باقی ص ۲۵ پر)

(بقیہ) عشرۂ ذی الحجہ

جس عشرہ کی خالق کائنات نے قسم کھائی ہو، اس کی عظمتوں کا کیا پوچھنا، لیکن افسوس کہ یہ پورا عشرہ ہماری غفلتوں کا شکار ہو جاتا ہے، قربانی کے جانوروں کی خرید و فروخت، پلاؤ، زردہ، بریانی قورمہ، سویاں اور دیگر اشیاء کی فراہمی میں ہمارا سارا وقت صرف ہو جاتا ہے اور ہم اس طرف توجہ نہیں دے پاتے، حالانکہ قربانی کا عظیم فریضہ بھینس، گائے، دنبہ، بکرا، بکری کی شکل میں ذبح کرنے سے پہلے ضروری تھا کہ پہلے اپنے نفس کی قربانی اطاعت و انقیاد اور تسلیم و رضا میں مضمر ہے اور وہی مطلوب ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوی منکم"

ہرگز اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانور کا گوشت اور خون نہیں پہونچتا (تمہاری طاعت و انقیاد کا مظہر) تقویٰ خدا کے یہاں پہونچتا ہے۔

یعنی بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت اسی کو ملتی ہے اور روزہ سراسر اسی طاعت و انقیاد کے استحضار کا نام ہے، "لعلکم تتقون" روزہ اس لیے فرض کیا گیا تھا کہ تم متقی ہو جاؤ۔ اس آیت میں روزہ کے اسی استحضار کی معنویت اور اثر انگیزی کو بیان کیا گیا ہے اور قربانی سے پہلے اس عشرہ میں روزہ کی ترغیب دے کر انسان کو اس مقام بلند پر فائز کرنے کی عملی ترکیب بتادی گئی جہاں سے اس کی قربانیاں زمین پر خون گرنے سے پہلے مقبول ہو جاتی ہیں۔

اسلامی عید کا تصور بھی یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ عبدیت کا تصور قائم ہو اپنے گناہوں کو یاد کیا جائے اور اپنے مالک کے احسانات عمیمہ کا شکر ادا کیا جائے، اس کے شکر کا طریقہ خانہ ساز نہیں، بلکہ اس نے خود فرمایا "ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم ولعلکم تشکرون"، اور یہ اس لیے ہے تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو، اور تاکہ تم شکر گذار بنو۔

یہی وجہ ہے کہ عشرۂ ذی الحجہ میں کثرت سے اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہنے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ نویں تاریخ کی صبح کی نماز سے تیرہویں تاریخ کی عصر کی نماز تک تکبیرات تشریق کا کہنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ہر فرض نماز کے بعد امام و مقتدی خواہ منفرد ہی کیوں نہ ہو بلند آواز سے یہ تکبیر کہیں گے "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد" اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور اللہ ہی کے لیے ساری تعریف ہے۔

مردوں کو بلند آواز سے اور عورتوں کو پست آواز سے کہنا واجب ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی مشہور کتاب "غنیۃ الطالبین" میں لکھا ہے۔

"عید تو یہ ہے کہ انسان میں قبولیت طاعات اور عبادت الٰہی کے آثار پائے جائیں اور گناہوں کے کفارے کے لیے کوشش کی جائے برائیوں کو نیکیوں سے بدلنے کے لیے جدوجہد ہو، دل قوت ایمان اور یقین سے معمور ہو"

زبدۃ السالکین میں لکھا ہے:

"عید میں مومن اور کافر دونوں شریک ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک کے واسطے اپنی اپنی علاحدہ عید ہے، مومن کی عید تو رضائے الٰہی ہے اور کافروں کی عید لہو و لعب اور بے ہنگم خوشی ہے، مومن تو اپنی عیدگاہ کی طرف جاتا ہے اور اس کے سر پر تاج ہدایت ہوتا ہے، اور اس کی آنکھوں میں عبرت اور فکر کی علامت ہوتی ہے، اور اس کے دل میں نور مغفرت ہوتا ہے عاجزی و انکساری کا شیوہ ہوتا ہے"

حقیقت میں عیدین انھیں جذبوں کے فروغ کا اہم ذریعہ ہیں۔ لیکن کچھ غفلت و جہالت اور کچھ برادران وطن کی نقالی و مصاحبت نے اس جذبہ ہی کو سرے سے ختم کر دیا ہے، ہمارے بے حد ضروری ہے کہ اس جذبہ کو بیدار کیا کریں، اور عید الاضحی کی آمد سے پہلے اس فکر کو جمعہ کے خطبوں کے ذریعہ عام کرنے کی کوشش کی جائے، اس سلسلہ میں ائمہ عظام کو متوجہ ہونا چاہیے، اور خاص طور سے اس موقع پر بھی سادگی کا لحاظ رکھا جائے نام و نمود، ریا اور ہر قسم کے دکھاوے سے پرہیز کیا جائے، بکرے کی خریداری میں بعض جگہوں پر متمول طبقے میں جو ایک (ہوڑ) مسابقت پائی جاتی ہے کہ فلاں کا بکرا پانچ ہزار کا ہے تو ہمارا بکرا دس ہزار کا ہوگا" اور اس میں اسراف کی حد تک اپنے قیمتی سرمایہ کو لگا کر ضائع کیا جاتا ہے۔ موجودہ حالات کی روشنی میں اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جانور ایک دو ہزار میں اچھے مل جائیں گے اگر بقیہ پیسے کسی یتیم کی دادرسی، کسی بیوہ کی اشک شوئی ہو جائے تو یہ بڑا عظیم کام ہوگا۔ دنیا کی نظر میں اس کی واہ واہ شاید نہ ہو سکے لیکن اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کا بڑا اونچا مقام ہے۔

بصیرت افروز واقعہ

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حج کرنے گئے، حج کے بعد ایک روز مکہ معظمہ میں سو رہے تھے کہ خواب میں دو فرشتوں کو دیکھا ایک فرشتہ نے دوسرے فرشتہ سے کہا اس سال کتنے آدمی

کرنے آئے؟

دوسرے فرشتے نے کہا چھ لاکھ۔ پہلے نے کہا ان میں سے کتنے آدمیوں کا حج قبول ہوا؟ دوسرے فرشتے نے کہا کسی کا نہیں البتہ دمشق میں ایک شخص علی بن موفق ہے اگرچہ وہ حج کرنے آیا نہیں لیکن حج اسی کا مقبول ہے۔ اور اس کے طفیل میں تمام حاجی بخش دیئے گئے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارکؓ نیند سے جاگے تو آپ کو حضرت علی بن موفق کی زیارت کا شوق ہوا چنانچہ مکہ مکرمہ سے دمشق گئے اور حضرت علی بن موفق کے مکان پر پہونچ کر آپ کو آواز دی وہ آواز سن کر باہر نکلے حضرت عبداللہ بن مبارکؓ نے پوچھا آپ ہی علی بن موفق ہیں؟

انھوں نے جواب دیا ہاں۔

حضرت عبداللہ: آپ سے ایک بات پوچھنی ہے

حضرت علی بن موفق نے کہا فرمایئے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؓ: آپ کیا کام کرتے ہیں؟

حضرت علی بن موفق: جوتیوں میں پیوند لگاتا ہوں۔

حضرت عبداللہ نے خواب کا واقعہ بیان کیا، حضرت علی بن موفق نے پوچھا آپ کا نام؟ حضرت عبداللہ نے جواب دیا۔ عبداللہ بن مبارک، حضرت علی بن موفق نے ایک چیخ ماری اور گر کر بے ہوش ہو گئے جب ان کو ہوش آیا تو حضرت عبداللہ نے کہا میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے ایسا کون سا کام کیا ہے جس سے آپ کو یہ رتبہ ملا؟

حضرت علی بن موفق نے کہا مجھے تین سال سے حج کی آرزو تھی میں نے جوتیوں میں پیوند لگا لگا کر تین سو درہم جمع کیے تھے اور اس مرتبہ حج کے لیے جانے کا ارادہ تھا، میری بیوی حاملہ تھی، ایک روز ہمسائے کے مکان سے کھانے کی خوشبو آئی میری بیوی نے کہا ہمسایہ کے مکان سے میرے لیے تھوڑا سا کھانا لا دو، میں ہمسایہ کے یہاں گیا اور اس سے کھانا مانگا، اس نے کہا یہ کھانا تمہارے لائق نہیں ہے میں نے پوچھا اس کھانے میں کیا ہوا ہے، اس نے کہا ہم گھر بھر سات روز سے بھوکے ہیں آج ایک مرا ہوا گدھا مل گیا اسی کا تھوڑا سا گوشت کاٹ لایا ہوں جو پک رہا ہے یہ سنتے ہی میں گھر میں آیا درہم لے جا کر اسے دے دیئے۔ اور کہا لو انھیں اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو میرا حج یہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے کہا، فرشتے نے خواب میں سچی خبر دی تھی، ایسے ہی موقع کے لیے عارف رومی نے فرمایا ہے ؎

از ہزاروں کعبہ یک دل بہتر است
دل بدست آور کہ حج اکبر است

آج کا ماحول اسی کا متقاضی ہے، قربانی کی روح یہی ہے کہ آدمی اپنے ارادہ اور اپنی خواہش کے گلے پر چھری چلانے، اور اللہ کی راہ میں جس وقت جس چیز کا مطالبہ ہو اس کو پیش کرنے سے دریغ نہ کرے، ارشاد ربانی ہے:

"وأما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هى الماوى"

اور جو خدا سے ڈرے، اور اپنی خواہش نفس سے رکے تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا يؤمن احدكم حتى يكون هواه تبعًا لما جئت به"

تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو۔

عشرۂ ذی الحجہ کا یہی پیغام ہے جس کو اختیار کر کے ہم سعادتوں سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔

آپ کی خدمت میں جدید و دلکش
سونے چاندی کے زیورات کے لیے
ہمارا نیا شوروم
گہنہ پیلس
حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد معروف خاں
ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ
فون نمبر۔ ۲۶۷۹۱۰ 267910

مختصر عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● حکومت برونئی نے حال ہی میں اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے جدید وسائل کو بروئے کار لانے کی غرض سے ایک اہم فیصلہ کیا ہے۔ اس فیصلہ کے مطابق راجدھانی دارالسلام میں ایک اسلامی ریڈیو اسٹیشن قائم کیا جائے گا جہاں سے اسلامی تعلیمات پر مبنی پروگرام نشر کیے جائیں گے۔ سرکاری اعلان کے مطابق سال رواں میں یہ اسلامی ریڈیو اسٹیشن اپنی سروس شروع کر دے گا، واضح رہے کہ برونئی کے نوجوان ایک عرصہ سے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ ملک کو غیر اسلامی اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے اسلامی تعلیمات کے نفاذ کو اولیت دی جانی چاہیے۔

● اردن کے شاہ حسین جو روایتی طور پر یروشلم کے مسلم مقدس مقامات کے محافظ ہیں انھوں نے اپنی ذاتی دولت سے ۶۵ لاکھ ڈالر کا عطیہ بیت المقدس کے سنہرے گنبد پر سونے کا پتر چڑھانے اور پانی سے محفوظ رکھنے کے لیے دیا ہے، سعودی حکومت نے بھی آنے والے اخراجات میں دل کھول کر حصہ لیا ہے اس وقت تقریباً چالیس غیر ملکی کاریگر اس کام میں مصروف ہیں۔

● قزاخستان وسط ایشیا کی نئی آزاد اسلامی جمہوریہ ہے جس کی کل آبادی ایک کروڑ چالیس لاکھ ہے جن میں ۸۰ فیصد مسلمان ہیں اس نئی حکومت کے لیے سعودی عرب نے ۵۰ ہزار قرآن مجید قزاخی ترجمہ کے ساتھ بھیجے ہیں جو عوام میں تقسیم کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کویت کے ایک فلاحی ادارہ نے قزاخی طالب علموں کو اپنے خرچ پر کویت میں تعلیم دلانے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔

● سنگاپور میں اس وقت چھ مسلم تنظیمیں ہیں جو اسلام کی نشر و اشاعت اور دعوت و تبلیغ میں مصروف ہیں ان میں سب سے قدیم تنظیم اسلامی دعوت آرگنائزیشن ہے جس نے قرآن پاک کی تعلیم کے لیے دینی مدارس اور متعدد کنڈرگارڈن اسکول چلا رہی ہے جس میں تقریباً ۱۵ سو بچے زیر تعلیم ہیں۔

● قرطبہ میں قصر الحمراء کی تاریخی عمارت کے سامنے ایک نئی مسجد کی تعمیر کا منصوبہ اسپینی مسلم گروپ کی نگرانی میں جلد ہی انجام پائے گا۔ یہ مسجد ۱۴۰۸ مربع گز میں تعمیر ہوگی۔ اسپینی مسلم گروپ کے نمائندے کا کہنا ہے کہ قرطبہ کی دوبارہ تاریخی عظمت کو حاصل کرنے کے لیے یہ پہلا قدم ہے۔

● بنگلہ دیش کے شہر ڈھاکہ میں تقریباً ۲۰ ہزار سنی مسلمانوں نے سکریٹریٹ کے سامنے جمع ہو کر حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ قادیانی فرقہ کو غیر مسلم قرار دے واضح رہے کہ اس مظاہرہ کا اہتمام انٹرنیشنل مجلس تحفظ ختم نبوت برائے بنگلہ دیش نے کیا تھا۔

● رابطہ عالم اسلامی جو دنیا بھر کے مسلمانوں کی سب سے بڑی مسلم تنظیم ہے حکومت جرمنی کے اس فیصلہ پر اپنا شدید ردعمل ظاہر کیا ہے کہ سلمان رشدی مصنف شیطانی آیات کو مغربی ادب اوارڈ دیا جائے۔ رابطہ عالم اسلامی کے ترجمان نے کہا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مغربی دنیا کی ثقافتی انجمنیں ایک ایسے شخص کی عزت و احترام میں مصروف ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوا ہے اس اوارڈ سے اس شخص کی ہمت افزائی ہوگی جو آسمانی مذاہب کا مذاق اڑاتا ہے جب کہ اس اوارڈ کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ ایسے ادیب کو دیا جائے جس کی تحریریں انسانی جذبات کی صحیح عکاسی کرتی ہوں، ترجمان نے حکومت جرمنی سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے۔

نورانی تیل
درد، زخم، چوٹ کی بہترین دوا

لیبل پر ڈرگ لائسنس نمبر U18/77 اور کیپ سول پر LT مارکہ ضرور دیکھیں، انڈین کمپنی کی کہیں کوئی برانچ نہیں ہے دھوکہ نہ کھائیں۔ مئو کا بنا اصلی نورانی تیل مئو کا پتہ دیکھ کر خریدیں۔
INDIAN CHEMICAL MAU. N.B. 275101

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

دعوت اور داعی

دعوت کے طریق کار کو قانون و ضابطہ کی زبان میں نہیں بیان کیا گیا ہے اور نہ ایسا کرنا قرینِ مصلحت اور مقتضائے حکمت تھا، دعوت و تبلیغ کا انداز، ماحول اور گرد و پیش کے حالات، مخاطبین کے طبائع اور دین کے مصالح کے مطابق متعین ہوتا ہے۔

چونکہ دعوت کو "صورت حال" کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور "صورت حال" ہمیشہ بدلتی رہتی ہے، اس لیے دعوت کے کام میں "حاضر کلامی" اور حاضر دماغی دونوں کی ضرورت ہے، مزید یہ کہ دعوت پیش کرنے والوں کو انسانی نفسیات سے گہری واقفیت اور اس کی دکھتی رگوں اور سوسائٹی کے کمزور پہلوؤں پر انگلی رکھ کر تبانا ہوتا ہے، اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مبلغ کو یہ بات کرنی چاہیے، یہ نہیں کرنی چاہیے اور یہ کام کرنا چاہیے، اور یہ نہیں کرنا چاہیے، اس کو ایسا اسلوب اختیار کرنا چاہیے اور لوگوں کے سامنے دعوت کو اس طرح پیش کرنا چاہیے، اس کے یہ حدود و ضوابط ہیں، خواہ وہ قوانین کے مرکزی خطوط (OUT LINE) ہوں، کیونکہ ہر بدلتے ہوئے معاشرے اور تبدیل شدہ صورت حال سے اس کو نمٹنا ہوتا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ داعی مشرق میں ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مغرب میں ہو یا مشرق سے مغرب یا مغرب سے مشرق منتقل ہو جائے، لہٰذا اگر صرف اہل مشرق کو سمجھانے کا طریقہ اس کو معلوم ہے تو مغرب میں وہ افہام و تفہیم کا کام انجام نہیں دے سکتا، اور اگر وہ صرف اہل مغرب کے طبائع اور نفسیات سے واقف ہے تو مشرق میں اس کی دعوت برمحل اور بار آور نہیں ہوگی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ـــــ (تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب)

۲۵ مئی ۱۹۹۴ء | سالانہ سو روپے | فی شمارہ ۵ روپے

Office : 385538
Princi. : 72336
G. House : 73864

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)

بمبئی کے قارئین تعمیرِ حیات سے

بمبئی کے قارئین تعمیرِ حیات حضرات سے گذارش ہے کہ تعمیرِ حیات کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
Tea Merchants

44, Haji Building,
S.V. Patel Road, Null Bazar,
Bombay 400003
Tele.: Add Cupketle Tel.
3762220/ 3728708
Tel. (R) 3095852

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات ایک تحریک ہے، اس کی توسیعِ اشاعت میں حصہ لیں۔

● سرزمین راجستھان سے پہلا علمی، تعلیمی، دینی، دعوتی، اصلاحی و ادبی ماہنامہ۔
● جامعۃ الھدایہ جے پور کا ترجمان ● مدارسِ اسلامیہ و عربیہ میں ایک متوازن اور انقلابی نظامِ تعلیم کا داعی ● دعوتِ دین کے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ● اصلاحِ معاشرہ کا علمبردار ● ادبِ اسلامی کا نقیب۔

ماہنامہ **ہدایت** جے پور

دعوت و اصلاح اور تعلیم و ادب کی اِس آواز کو گھر گھر پہنچایئے

خود ممبر بنئے اور دوسروں کو ممبر بنائیے

شرح خریداری

فی شمارہ ۱۰ روپے ○ ششماہی زرتعاون ۶۰ روپے ○ سالانہ ۱۲۰ روپے
خصوصی زرتعاون سالانہ ۵۰۰ روپے ـــــ لائف ممبرشپ تین ہزار روپے

خط و کتابت کا پتہ

'ھدایت' پوسٹ بکس نمبر ۳۵، ۱۶۱۷ کھیجڑے کا راستہ بالمقابل ہدایت مسجد، اندرا مارکیٹ جے پور

نوٹ: چیک یا ڈرافٹ پر HIDAYAT MONTHLY ضرور لکھیں۔

"HIDAYAT" MONTHLY, POST BOX NO. 35, 1617 KHEJRON KA RASTA, OPP. HIDAYAT MASJID, INDIRA BAZAR, JAIPUR-302001

گذارش: خط و کتابت نیز منی آرڈر کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں، خریداری نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں کم سے کم جس نام سے آپ کا رسالہ جاری ہے اس کی وضاحت ضرور فرمائیں منی آرڈر کوپن پر صاف صاف خوشخط پتہ لکھیں، اگر جدید خریدار ہوں تو اس کی صراحت ضرور کردیں جواب طلب امور کے لئے جوابی خطوط ارسال کریں۔

شکریہ۔ منیجر